متاعِ فقر و دانش

دربار بابا جی صاحبؒ

(تاریخ کی روشنی میں)

تحقیق: کے۔ ڈی۔ [illegible]

متاعِ فقر و دانش

دربار باباجی صاحبؒ

تاریخ کی روشنی میں

دربارِ عالیہ حضرت باباجی صاحب لارویؒ بابانگری، وانگت تحصیل کنگن، ضلع گاندربل کشمیر

نام کتاب	:	متاعِ فقر ودانش، تاریخ کی روشنی میں
بحکم	:	میاں بشیر احمد صاحب
نگراں	:	میاں الطاف احمد
تحقیق	:	کے-ڈی-مینی
ترتیب	:	چودھری اقبال عظیم
تصیح	:	محمد منشاء رمیاں ارشاد احمد
کمپوٹر کمپوزنگ	:	محمد رفیع کھاری
سرورق رتزئین	:	”
طباعت	:	کاف آفسیٹ پرنٹرس دہلی
تعداد	:	دوہزار (۲۰۰۰)
سال اشاعت	:	نومبر: ۲۰۱۲ء
قیمت	:	۱۰۰اسوروپے

.... ملنے کا پتہ ....

دربارِ عالیہ حضرت باباجی صاحب لارویؒ بابانگری وانگت، تحصیل کنگن، ضلع گاندربل کشمیر

انتساب

شمس العارفین حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ

کے نام

جن کے فیضانِ نظر سے دربارِ عالیہ بابانگری

فیوض و برکات کا مرکز بنا

فہرست

دیباچہ

تاریخ ساز شخصیات عملِ پیہم اور ذوق آ گہی کی بدولت اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کا تدبر اور وجدان ہی ان کو بلندیوں تک پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔ خُدا پرستی، خودشناسی اور خود اعتمادی کامیاب لوگوں کا وصف ہے۔ تاج وتخت اور مال وزر تو تمکنت اور شکم سیری کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتے۔ اللہ کے نیک بندے زہدوتقویٰ اور توکل کے سہارے آگے بڑھتے ہیں اور مخلوقِ خُدا کو اپنا ہم نوا بنا لیتے ہیں۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
راہ رو ملتے رہے اور کارواں بنتا گیا

ایک مردِ درویش ضلع ہزارہ کی مردم خیز دھرتی پر ایک سفید پوش اور دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ آزمائشوں کا کوہِ بارگراں ٹوٹ پڑا۔ غم وآلام کی آندھیوں میں چراغ کو جلائے رکھا کوئی سہارا ماسوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے موجود نہ پایا تو اسی سے لو لگائی۔ مُرشد کامل کا ہاتھ پکڑ لیا روحانی منزلیں طے ہوتی رہیں۔ عشق رسول ﷺ قلبِ منور میں خیمہ زن ہوگیا۔ لب پر ذکرِ الٰہی جاری ہوگیا قرآن پاک کی تلاوت اُس پر تفکر اور تدبر کا شعور حاصل ہوگیا اُلجھنیں دم توڑ گئیں۔ توکل کی دولت سے قلب ونظر مالا مال ہوگئے۔ اور اس طرح میاں محمد عبداللہ بجران ''جی صاحبؒ'' ہوگئے۔ انسان ہی نہیں چرند وپرند اشجار واثمار نیک زبان جی صاحبؒ، جی صاحبؒ پکار اُٹھے۔ اُن کی روحانی قوت کو ان کے پیر ومرشد حضرت قبلہ میاں نظام الدین کیانویؒ نے پرکھ لیا۔ اور تقریباً تیس برس کی عمر میں رشد ہدایت کی خاطر ریاست جموں وکشمیر کے دور دراز برف پوش پہاڑوں اور سدابہار جنگل کے قلب میں قیام کا حکم دیا اس مقام کو اب بابا نگری کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ اولیا اللہ کو حکومت دولت اور اسناد سے نہیں جانا جاتا بلکہ یہ قانون قدرت ہے۔ کہ مخلوق خُدا کو

ان کی صورت اور سیرت سے انس پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ظاہری اور باطنی مشکلات کے حل کی خاطر رجوع کرتے ہیں۔ یہاں میاں عبداللہ المعروف بابا جی صاحبؒ نے تقریباً تئیس برس گزارے بے شمار لوگوں کے دلوں میں نور عرفان کی شمعیں روشن فرمائیں، تصانیف وتالیف کے کارنامے انجام دیئے رضائے حق کی خاطر لنگر جاری کیا۔ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ہزاروں لوگوں کو بیعت فرمایا اور سینکڑوں خوش بختوں کو تبلیغ اور رہنمائی کی خاطر خلافتوں سے سرفراز فرمایا۔ انہوں نے نہایت باشرع معاشرتی زندگی گزاری۔ ان کی اولادِ نرینہ میں دو نہایت ہی روشن وتاباں ہستیاں ہوئی ہیں ایک حضرت میاں رکن عالمؒ جو مادرزاد ولی اللہ تھے۔ ان کا صغر سنی میں انتقال ہو گیا تھا۔ دوسرے حضرت میاں نظام الدینؒ جو ہر لحاظ سے ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ وہ علم دین ہو شعورِ شعر وادب ہو، سماجی اصلاح ہو، روحانیت ہو یا سیاست انہوں نے ہر میدان میں بڑا نام پیدا کیا۔ وہ ہمیشہ پسماندہ اور اقتصادی طور پر بدحال لوگوں کی بھلائی کی خاطر کوشاں رہے۔ ریاست کے دور افتادہ لوگوں میں اعتماد اور سیاسی شعور پیدا کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ ان کا نصب العین بلا لحاظ مذہب وملت اور رنگ ونسل زخمی دلوں پر مرہم لگاتا رہا۔ اُن کی سرپرستی میں ایک سیاسی جماعت گوجر جاٹ کانفرنس وجود میں آئی۔ جس میں ان طبقہ کے پرخلوص اور باوقار قومی رہنما شامل ہوئے۔ اور اس پلیٹ فارم سے مظلوم ومحکوم لوگوں کے مسائل ابھارے جاتے رہے۔ ان کی خدمات کے مدِ نظر انہیں ڈوگرہ حکومت میں سٹیٹ کونسلر کا عہدہ دیا گیا۔ بعد ازاں ریاست کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور حلقہ انتخاب کنگن سے بلا مقابلہ چُنے جاتے رہے۔ اِن کی دیانتداری اور فہم وفراست کی بدولت انہیں تاحیات امتیازی حیثیت حاصل رہی۔

حضرت میاں نظام الدینؒ ایک صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کا کلام حلقہ ہائے سخن میں کافی مقبول رہا۔ فقر اور تصوف میں ان کے ارادتمندوں کی تعداد ان گنت ہے۔ سماجی برائیوں کے خلاف موثر جدوجہد کی انسانیت کے اعلیٰ اصول سکھائے۔ یادِ الٰہی میں یکسوئی کی خاطر عملی سیاست سے فراغت حاصل کر لی اور اپنے فرزندِ اکبر حضرت میاں بشیر احمد کو اس میدان میں اُتارا موصوف نہایت سلجھے ہوئے سیاستدان معتبر روحانی شخصیت ہیں۔ ان کی حق گوئی دلیری اور دیانتداری اظہر من الشمس ہے۔ انہوں نے اسمبلی میں قیادت کا حق ادا کیا ہے۔ مختلف ادوار میں ریاستی کابینہ میں اپنی بھرپور صلاحیتوں سے مستحق لوگوں کی خدمت کی ہے۔ ان میں قوتِ

فیصلہ اور معاملہ فہمی کا جوہر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اُنہوں نے دربار حضرت باباجی صاحبؒ کے برِصغیر کے لاکھوں لوگوں کے وسیع پیمانہ پر انتظامات کی ذمہ داریاں نبھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ یہاں پر عمدہ تعمیرات ان کے تعمیری ذہن کے مظاہر ہیں۔ ایک دانشور ادیب کی حیثیت سے انہوں نے قابلِ ستائش کام انجام دیئے ہیں۔ بے شمار شعرا کا کلام ''نیر سمندر'' نام کے کتابی سلسلہ کے تحت کثیر رقومات خرچ کر کے بڑے اہتمام کے ساتھ چھپوا کر منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ دینی خدمات، روحانی رہنمائی، سماجی مسائل اور زہد وریاضت کی وجہ سے انہوں نے سیاست سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ اپنے فرزندِ اصغر میاں الطاف احمد صاحب کو اپنا سیاسی جانشین مقرر کرلیا ہے۔ الطاف صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ برس ہا برس سے حلقہ انتخاب کنگن سے بھاری اکثریت کے ساتھ منتخب ہوتے آرہے ہیں۔ اور ریاستی کابینہ کے نہایت دیانتدار اور باصلاحیت وزیر ہیں۔ وہ بھی اپنے آباواجداد کی راہ پر ثابتِ قدمی سے گامزن ہیں۔

تاایں دم اس خاندان کے سبھی افراد قومی تعمیر کے عمل میں حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی قیادت میں ہمہ تن مصروف کار ہیں۔ اور اس خانوادے کے ناموس کی خاطر ہر طرح کی خدمات انجام دینے کے لئے ہمہ وقت مستعد ہیں۔

میاں بشیر احمد صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ زندگی کے مختلف شعبہ جات میں اِس فعال خانوادے کی ایک مکمل تاریخ مرتب کی جائے۔ چنانچہ ۲۰۱۰ء میں انہوں نے اس کام کو انجام دینے کے لئے ریاست کے معتبر مورخ خوشدیو مینیؔ کو دعوت دی۔ جنہوں نے یہ دعوت قبول کرلی۔ چونکہ مینی صاحب تاریخ نویسی کے میدان میں ماہر ہیں۔ انہوں نے جدید ترین تاریخ نویسی کے رجحان کے مطابق بڑی کاوش سے مختلف ذرائع سے تاریخی شواہد جمع کیے۔ اس ضمن میں سینہ بسینہ چلی آرہی روایات کی حقیقت کو بھی حتی الوسع پرکھنے کے بعد بعض معتبر اشخاص کے انٹرویو تقابلی تجزیہ کے بعد یکجا کئے ہیں۔ اور اب یہ ضخیم تاریخ ''............ کے نام سے تکمیل کو پہنچی ہے۔ یہ امر گفتنی ہے کہ میاں الطاف احمد صاحب کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس میں مندرجہ ذیل افراد کو شامل کیا گیا۔

چودھری اقبال عظیم، میاں الطاف احمد، خوشدیو مینیؔ، محمد منشا خاکی، میاں ارشاد احمد اور محمد رفیع کھاری

ہیں۔ جب کتاب کی کمپوزنگ کا مرحلہ آیا تو محمد منشا خاکی اور میاں ارشاد احمد کی زیرِ نگرانی کاتب محمد رفیع کھاری نے اس کام کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔

یہ تاریخ کوئی حتمی یا آخری کتاب نہیں جو اس موضوع پر لکھی گئی ہے۔ بلکہ دربار عالیہ سے منسلک مورخ اور ادبا کو آگے لکھنے کے لئے ایک تحریک کی شکل میں چھاپی جا رہی ہے۔

مجلس ادارت

بتاریخ ۲- ماہ اکتوبر ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرّحمنِ الرّحیم

حرفِ چند

سرزمینِ کشمیر آفرینش سے ہی اولیائے کرام علمائے عظام دانشورانِ نکتہ داں اور محررانِ جادو نگار کیلئے چشم براہ ہی ہے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آلباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

یہاں جو بھی باکمال آیا یہیں کا ہو کے رہ گیا۔ یہاں کی حسین وجمیل وادیاں، بلند وبالا سلسلہ ہائے کوہسار گرجتے ہوئے دریا سرسبز وشاداب اشجار تھرکتی ہوئی ندیاں نیلگوں جھیلیں نغمہ ہائے دل نشیں لذّتِ ساز سے ہمکنار ہونے کا شرف بخشتی ہیں۔ درود واذکار کی صدائیں ذرے ذرے کو ہم نوا بنالیتی ہیں۔ قلب ونظر بیک نگاہ مسحور ہوجاتے ہیں۔ تلاش حق کے طالب عرش بریں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور عبادت کا صلہ پا کر مخلوقِ خُدا کے سکون قلب کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ، حضرت عبدالرحمان بلبل شاہؒ، شیخ العالم حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ، للہ عارفہؒ حضرت شاہ ہمدانؒ، حضرت میر صدیق ماگیؒ، شمش العارفین۔ حضرت مخدوم صاحبؒ اور سینکڑوں علما اور اولیا مخلوقِ خُدا کی روحانی رہنمائی کی خاطر یہاں تشریف لائے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ایسے میں برِ صغیر کے شمالی خطہ سے حضرت میاں نظام الدین کیانویؒ سے اذن پا کر ضلع ہزارہ سے نسیم نور عرفان کی صورت میں حضرت باباجی صاحبؒ واردِ کشمیر ہوئے اور روحانی طور پر صف اول کے بزرگانِ دین کے ہمنوا اور ہم نشین بن کر باباگری میں سلسلہ فقر کی نشست پر جلوہ افروز ہوئے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے زیر سایہ طالبانِ فقر وتصوف کا فیض جاری کیا۔ لنگر جاری کیا۔ نشر واشاعت کا کام بھی ہاتھ میں لیا۔ شرعی، سماجی اور معاشرتی اصلاح کا یہ دربار ایسا مرکز بنا کہ جس کی مثال ہی نہیں ملتی۔

خطہ کشمیر کے حُسن صورت کو سطحی نگاہ سے دیکھنے والے بھی محظوظ ہوئے اور پکار اُٹھے۔

ے
اگر فردوس برروئے زمین است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

اسطرح بزعم خود حق ادا کر دیا۔ لیکن بصیرت کا تقاضہ پورا کرنے والوں سے اس بحرِ حسن سیرت میں غواص چمن گوہر مقصد کو تلاش کیا اور پایا اسی دھرتی کے ایک سپوت حضرت علامہ اقبالؒ نے خالق کائنات کے حضور عرض کیا۔

ے
تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
من آنم از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

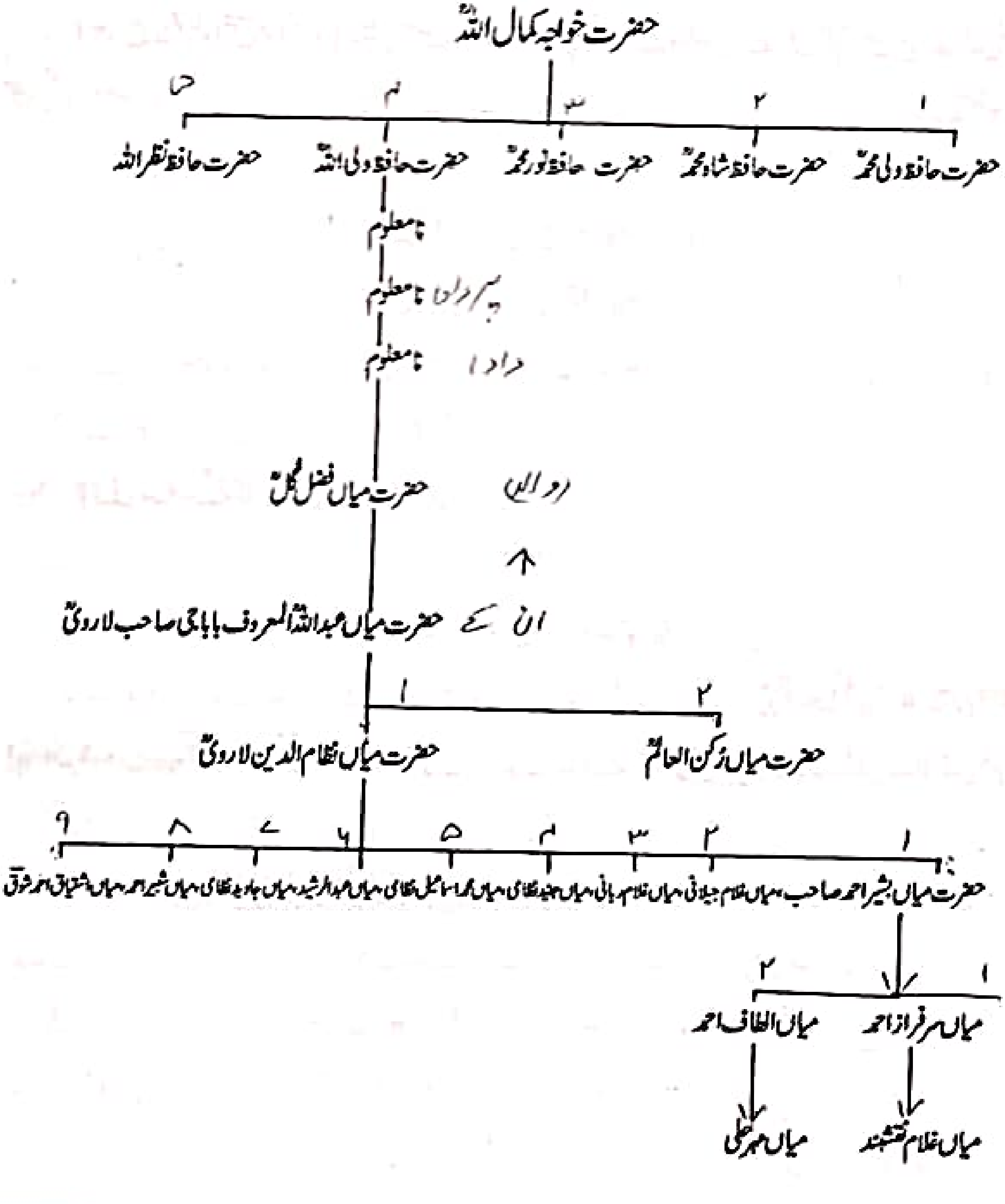
باباجی صاحبؒ کو نجوڑا سے ہجرت ایسی راس آئی کہ ان کا فیض زمانہ بھر کے خشک ذہنوں کیلئے آبِ حیات ثابت ہوا۔

ع
صبح غربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارا

میں خانوادہ باباجی صاحبؒ کی تقریباً دو صدیوں کی سرگزشت کا ''متاع فقر و دانش'' کا حسین امتزاج اعانت کاروں کے تئیں اظہار تشکر کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ قبولیت کا نہیں نظرِ کرم کا خواہش مند ہوں۔

میاں الطاف احمد
۲۴- ستمبر ۲۰۲۱ء

شجرہ نسب


حضرت خواجہ کمال اللہؒ
۱
۲
۳
۴
۵
حضرت حافظ ولی محمدؒ
حضرت حافظ شاہ محمدؒ
حضرت حافظ نور محمدؒ
حضرت حافظ ولی اللہؒ
حضرت حافظ نظر اللہ
نامعلوم
پسر دادا
نامعلوم
دادا
نامعلوم
والد
حضرت میاں فضل محمدؒ
ان کے
حضرت میاں عبداللہ المعروف باباجی صاحب لارویؒ
۱
۲
حضرت میاں نظام الدین لارویؒ
حضرت میاں رکن العالمؒ
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
حضرت میاں بشیر احمد صاحب، میاں غلام جیلانی، میاں غلام ربانی، میاں حمید نظامی، میاں محمد اسماعیل نظامی، میاں عبدالرشید، میاں جاوید نظامی، میاں شبیر احمد، میاں مشتاق احمد شوق
۱
۲
میاں سرفراز احمد
میاں الطاف احمد
میاں غلام نقشبند
میاں محمد علی



روضہ مبارک حضرت باباجی صاحب لارویؒ بابانگری

اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے

اِس خاک میں پوشیدہ ہے ایک صاحبِ اسرار

حصّہ اوّل

حضرت باباجی صاحب لارویؒ

دربار باباجی صاحبؒ بابانگری

ریاست جموں وکشمیر میں گجر بکروال قبائل اور پہاڑی طبقے کے بہت بڑے حصے میں زیارت حضرت باباجی صاحب لارویؒ اور حضرت میاں نظام الدین صاحب لارویؒ لار شریف وانگت کشمیر کا وہی مقام ہے جو ہندوستان میں واقع خواجہ اجمیری کی درگاہ کو حاصل ہے۔ روحانیت محبت اور رواداری کی علامت یہ زیارت سرینگر سے ۴۵ کلومیٹر شمال میں ضلع گاندربل کی تحصیل کنگن میں کنگن قصبے سے پندراں کلومیٹر شمال مغرب کی طرف ایک دیدہ زیب تنگ گھاٹی میں واقع ہے۔ یہ مقام ۳۴-۲۰ عرض بلد اور ۵۵-۴-۷ طول بلد کے درمیان پڑتا ہے سطح سمندر سے اس گاوں کی بلندی ۵۹۰۰ فٹ سے لے کر ۶۷۰۰ ہے یہاں کا درجہ حرارت سردیوں میں منفی ۹ ڈگری سے لے کر گرمیوں میں ۳۱ ڈگری کے آس پاس رہتا ہے۔[لے] بابانگری وانگت گاوں کنکھنی ندی کی دائیں جانب تقریباً پانچ کلو میٹر لمبی ڈھلوان پر پھیلا ہوا تاریخی پس منظر والا یہ حسین وجمیل علاقہ دیودار کے جنگلوں کے ساتھ شمال کی طرف پھیلتا جاتا ہے اس وقت وانگت دو پنچایتوں میں منقسم ہے محکمہ مال کے ریکارڈ کے مطابق گاوں کا رقبہ ۳۵۵ ہیکڑ ہے جبکہ باقی رقبہ کاپ اور جنگلات پر مشتمل ہے ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق وانگت شریف کی آبادی ۴۹۱۰ افراد اور ۷۸۰ گھروں پر مشتمل تھی۔ اِن میں سے ۱۴۷۱ افراد گجر بکروال قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس گاوں میں پینے کے صاف پانی کی سہولیات بجلی اور پختہ سڑک دستیاب ہے۔ زائیرین کے لئے مہمان خانے موجود ہیں جہاں قیام کے لئے جدید اور اعلیٰ انتظامات دستیاب ہیں۔ درگاہ کا لنگر سدا بہار ہے جو پچھلے ۹۰ سالوں سے جاری ہے۔ جہاں سے

[لے] ڈپٹی کمشنر آفس گاندربل

ہر بشر کو بلا امتیاز مذہب وملت کھانا دیا جاتا ہے۔ ہر روز سینکڑوں لوگ لنگر سے کھانا، درگاہ سے تبرک اور سجادہ نشینوں سے روحانی فیضان حاصل کرتے ہیں۔ اس گاؤں میں اگر چہ گجر بکروال اکثریت میں آباد ہیں۔ لیکن پشتون اور کشمیری گھرانے بھی موجود ہیں۔ وانگت شریف کا گاؤں کئی حصوں میں منقسم ہے۔ جیسے لامن، اُڈر، پھاٹ، کٹھی نظام آباد اور بابانگری وغیرہ وانگت میں قائم مقدس درگاہ کی مناسبت سے عقیدت مندوں نے اس کا نام بدل کر بابانگری رکھا ہے۔ محبت، خلوص اور مروت کے جذبوں سے سرشار بابانگری کی بستی آج کے دور میں بھی قدیم برِصغیر ہندوپاک کے صدیوں پرانے تہذیبی ورثے انسانی رشتوں اور انسانی قدروں کی علامت لگتی ہے۔

محل وقوع اور تاریخی پس منظر: ۔ وانگت شریف کا گاؤں فطرت کے حُسن و جمال، مرطوب اور معتدل وموسمی حالات وبلند وبالا پہاڑی سلسلوں کے بیچ ایک تنگ گھاٹی کی تلہٹی پر واقع ہے اس گاؤں کے سامنے کنکھنی ندی کے اُس پار الڈور کی پہاڑی ڈھلوانوں پر پوشکر خانن اور کچھاڑن کی بستیاں آباد ہیں شمال کی طرف اور شمال مغرب کی جانب کوہ ہرمکھ کی برف پوش پہاڑی چوٹیاں یوں دکھائی دیتی ہیں جیسے سفید عمامے باندھے صوفیا مصروف مراقبہ میں ہوں۔

زیارت شریف کے چاروں جانب سرسبز پہاڑی ڈھلوانیں یوں دکھائی دیتی ہیں جیسے دُور دُور تک سبز قالین بچھا ہوا ہو۔ زیارت کے دامن والے حصے کو چومتی ہوئی صاف شفاف کنکھنی ندی شور مچاتی اچھلتی بل کھاتی ہوئی دریا سندھ کیساتھ وصال کے لئے اس طرح دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جیسے کوئی الھڑ مٹیار چوڑیاں کھنکھناتی ہوئی اپنے پی سے ملنے کی جلدی میں آگے بڑھ رہی ہو۔ اُدھر دیودار کے گھنے چھتنار درختوں نے دربار شریف کو اس انداز سے گھیرا ہوا ہے۔ جس طرح حضرت باباجی صاحب ؒ کو اُن کے مرید اور عقیدت مند گھیرے رہتے تھے۔ درگاہ شریف میں زائرین کی ریل پیل مریدوں کی مجلس عقیدت مندوں کی ٹولیاں مساجد سے اذان اور تلاوت کی گونج سجادہ نشینوں کے واعظ وتبلیغ ومحبت اور روحانیت بھری باتیں ایسا ماحول پیدا کرتی ہیں جو زائرین کے لئے تسکین قلب وروح کا سبب بنتی ہیں۔

وانگت عہد قدیم میں:۔یوں تو وانگت کا گاوں عہد قدیم سے ہی عبادت اور ریاضت کا اہم مرکز رہا ہے۔اس گاوں کے قریب صدیوں پرانے آثار گواہی دیتے ہیں کہ اس مقام کی عہد قدیم میں خاصی مذہبی اہمیت رہی ہے۔اُدھر حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانیؒ (۱۳۷۸ء تا ۱۴۴۱ء) اور رہبہ روپا دیوی (۱۶۲۱ء تا ۱۷۲۱ء) کی اس علاقے میں بیٹھکوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ علاقہ عبادت کے لئے مشہور ہوا کرتا تھا۔لیکن ۱۸۹۲ء میں اُس وقت کے عظیم ولی حضرت باباجی صاحب لاروی ؒ کی وانگت میں آمد کے بعد اس مقام کو اس قدر روحانی مرتبہ اور مذہبی تقدس حاصل ہوا کہ یہ مقام آج کشمیر کے دونوں حصوں میں آباد گجر بکروال کشمیری اور پہاڑی لوگوں کے لئے روحانیت کا مقام اور عقیدت واحترام کا مرکز بن گیا۔

دربار لار:۔لار شریف بابا نگری وانگت میں باباجی صاحبؒ کا دربار ایک اُونچے مقام پر دیوداروں کے سر بلند اور سدابہار درختوں کے درمیان واقع ہے۔جہاں باباجی صاحبؒ کی تُربت مبارک کے پہلو میں حضرت میاں نظام الدین لارویؒ کی تُربت پاک بھی موجود ہے۔کشمیری فن تعمیر کی شاہکار اس عمارت میں دیودار اور اخروٹ کی لکڑی کا کام بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ کیا گیا ہے۔فرش میں سفید سنگ مرمر کا استعمال ہوا ہے۔سیلنگ دیودار کی لکڑی کی ختم بندی سے آراستہ ہے۔جس کے اوپر چھت پر ٹین لگایا گیا ہے۔عقیدت مندوں سے گھیری ہوئی زیارت پاک پہاڑ کے سینے پر کسی نگینے کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

روضہ پاک باباجی صاحبؒ کے وصال کے بعد ہی تعمیر ہو گیا تھا۔یہ دیودار کی لکڑی سے تیار کی ہوئی مختصر عمارت تھی لیکن ۱۹۶۸ء میں اسے از سرِ نو بڑے شوق سے بنوایا گیا جن کے باعث عمارت کی مضبوطی اور دلکشی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

روضہ مبارک کے دائیں جانب باباجی صاحبؒ نے چلّہ کشی اور زیارت کے لئے عمارت بنا رکھی تھی جس میں آپ نے ۱۹ برس گوشۂ تنہائی میں ریاضت فرمائی تھی آپ نے اپنی زندگی میں جو تُربت تیار کی ہوئی تھی اُس مقام تک

زمین کھود کر گزرگاہ بنائی تھی جس کے ذریعے آپ وہاں سے اپنی آخری آرام گاہ تک تشریف لے جایا کرتے تھے۔
لیکن زوردار بارشوں اور برف کے وزن سے اس حصّے کے دھنس جانے کے خدشے سے میاں بشیر احمد صاحب نے وہاں ایک شاندار اور پختہ دو منزلہ عمارت صرف ۲۷ دنوں میں تعمیر کروائی جس سے بابا جی صاحبؒ کی مخصوص عبادت گاہ بھی محفوظ ہوگئی۔ اس عمارت کی نچلی منزل میں تین کمرے ہیں جن میں چلہ کوٹھی کے علاوہ دو کمرے مہمانوں کے لئے مخصوص ہیں۔ چلہ کوٹھی میں تصوف اور فقہ کی قدیم کتب رکھی ہوئی ہیں اس کی دوسری منزل میں (۲۵×۵۰) کا بڑا ہال ہے جس کو ردسیوں کے ذریعے تین برابر حصوں میں بانٹا گیا ہے وقتِ ضرورت ان ردسیوں کو اُٹھا دیا جاتا ہے۔ عمارت کی چھت پر سلیب ڈالا گیا ہے۔ جس پر مٹی ڈال کر سبزہ زار بنایا گیا ہے۔ جو نہایت دیدہ زیب ہے عُرس پاک کے موقع پر ختمات قرآن خوانی اور علما کے خطابات کے لئے استعمال میں لایا جاتا ہے۔
اس عمارت کا نقشہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی خواہش کے مطابق راجوری کے انجنیر وں چودھری محمد عبداللہ اور چودھری منیر احمد نے تیار کیا تھا۔ اور اُن ہی کی ماہرانہ قیادت میں یہ عمارت مکمل ہوئی۔ حضرت صاحب لحمہ لحمہ اس کام کی خوب سے خوب تر ہونے کی ہدایت سے نوازتے رہتے تھے۔ اور اس کام کو ارادتمندوں اور خانوادے کے افراد نے عقیدت اور شوق سے انجام دیا۔

تعمیرات: – زیارت پاک سے سیڑیاں نیچے کی طرف آتی ہیں۔ اور جامع مسجد شریف وقیام گاہ تک خوبصورت تراشے ہوئے پتھروں سے زینہ در زینہ راہداری معمار کے ذوق سلیم کی غماز ہیں۔ جامع مسجد کے شمال میں تھوڑی دُوری پر ایک خوبصورت دو منزلہ عمارت ہے۔ جنگل کے ساتھ بنی ہوئی اس عمارت کی نچلی منزل ضلع راجوری کے ایک عقیدت مند اور معتبر شخصیت مرزا عبدالرشید نے ۱۹۹۹ء میں ایم۔پی۔فنڈ سے تعمیر کروائی تھی جبکہ بالائی منزل میاں بشیر احمد نے ۲۰۰۹ء میں تعمیر کروائی ہے۔
بڑی مسجد سے پہلے چھوٹی مسجد شریف آتی ہے جسے حضرت بابا جی صاحبؒ کے عہد میں (۱۸۶۳ء تا ۱۹۲۶ء) تعمیر کیا گیا تھا۔ حضرت بابا جی صاحبؒ کے عہد میں تعمیر کی گئی مسجد شریف میں تین مراحل میں توسیع اور تجدید کا عمل

دہرایا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں حضرت حاجی بابا صاحب نے اسے وسعت عطا کر کے خوب تر بنایا۔ پھر میاں بشیر احمد صاحب نے بیرونی دیواروں کو پختہ کرایا اور پھر ۱۹۸۵ء میں لکڑی کی چھت کھول کر ٹین کی چھت ڈلوائی باباجی صاحبؒ کی دستار مبارک اور دیگر تبرکات اسی مسجد شریف کے بالائی حصہ میں محفوظ ہیں۔

چھوٹی مسجد سے آگے نمازیوں کی سہولیت کے لئے جامع مسجد آتی ہے۔ جو اپنے فن تعمیر کے لحاظ سے نہایت پُرکشش اور قابل دید ہے۔ میاں نظام الدین صاحبؒ اس مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں شاید حضرت باباجی صاحبؒ کے الہامی اشارے کے منتظر رہے۔ اسی لئے تعمیر کا عمل موخر ہو جاتا رہا صاحبزادگان اور مخلص اور مدبر دین سے باتیں اور مشورے ہوتے رہے۔ بالآخر ۲۰۰۵ء میں سجادہ نشین حضرت میاں بشیر احمد لاروی صاحب نے جدید تعمیری رجحان اور کشمیر کے روایتی طرز تعمیر کے امتزاج کا حامل نقشہ تیار کروایا۔ جس میں گوہر احمد نقشبندی (انجینیر) کی کاوش قابل ستائش ہے۔ مقامی ماہرین میں انجینیر محمد عبداللہ، منیر احمد اور غلام محی الدین کی قیمتی آرا بھی شامل حال رہیں اس نقشہ کے مطابق جامعہ مسجد شریف کی تعمیر کے عمل کا آغاز ہوا اور قلیل عرصہ میں سہ منزلہ عمارت تکمیل کے مراحل طے کر گئی جو علاقہ بھر میں وسیع ترین اور حسین ترین مسجد ہے۔ جس میں تمام لوازم موجود ہیں۔ اس مسجد میں بیک وقت اڑھائی سے تین ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مہمانوں کے قیام کے لئے حجرے اور طہارت کے لئے غسل خانے اور گرم پانی کے لئے حمام کا بھی بندوبست ہے۔ چھوٹی مسجد کے متصل لنگر خانہ ہے جہاں لنگر کی روٹیاں بنانے کے لئے بڑے بڑے تندور نصب کئے ہوئے ہیں۔

زرعی اراضی:۔ زیارت شریف کے ساتھ کوئی تین سو کنال اراضی ہے جس کے آدھے حصے ''کاپ'' یعنی گھاس کی زمین ہے اور باقی حصے میں مکی کی فصل اُگائی جاتی ہے۔ حال میں یہاں سیب، ناشپاتی اور گلاس کے باغات بھی لگائے گئے ہیں۔ آٹا پیسنے کے لئے لنگر کا گھراٹ نالے کے کنارے واقع ہے۔ یہاں جتنی بھی مکی کی پیداوار ہوتی ہے لنگر میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ علاقہ راجوری سے بڑھیا مکی کے کئی ٹرک بھی درآمد کئے جاتے ہیں۔ اور کچھ غلہ لوگ اپنی طرف سے لاتے ہیں۔ زیارت شریف کے نیچے کنکھنی ندی کے اُس پار وہ بڑا پتھر

آج بھی موجود ہے جہاں حضرت بابا جی صاحبؒ نے ۱۸۹۳ء میں کپڑا بچھا کر یہاں پہلی بار نماز ادا کی تھی تو لٹھے کی چادر پر لنگر شریف کی زمینوں کا نقشہ بن گیا تھا یہ چادر آج بھی تبرکات میں محفوظ ہے۔

زیارت وانگت شریف کے دیدار کے لئے زائرین کے جو قافلے ۱۸۹۳ء میں حضرت بابا جی صاحبؒ کی یہاں آمد کے ساتھ آنا شروع ہوئے تھے وہ سلسلہ آج بھی اُسی طرح جاری ہے بلکہ اُن میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں بابا جی صاحبؒ کے وصال کے بعد یہاں آپ کا روضہ شریف تعمیر ہوا اور اُن کے صاحبزادے میاں نظام الدینؒ نے قوم کی روحانی تسکین کے ساتھ ساتھ سماجی اور سیاسی رہبری کا سلسلہ جاری رکھا اور عوام کی توجہ کا مرکز رہے۔ لوگوں کو یہاں سے روحانی تسکین کے علاوہ دنیاوی مسائل اور مصائب سے نجات حاصل کرنے میں مدد ملتی رہی ۱۹۷۲ء میں حاجی بابا نظام الدینؒ کی رحلت کے بعد انہیں بابا جی صاحبؒ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا ہے۔ حاجی بابا کے وصال کے بعد آپ کے فرزند اکبر میاں بشیر احمد سجادہ نشین منتخب ہوئے تو آپ نے تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ سماجی عدم مساوات اپنی قوم کی اصلاح اُن کی ذہنی نشو نما اور سیاسی طور سے اُن کے تشخص کو اُبھارنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اس طرح معتقدوں کا حلقہ بڑھتا چلا گیا اور ہر روز سینکڑوں لوگ بابا نگری میں مرادیں مانگنے اور روحانی تسکین اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔

عُرس شریف کے مواقع پر زائرین کے طعام وقیام کے انتظامات :- یوں تو ہر روز زیارت شریف پر عقیدت مندوں کی آمد اور ریل پیل لگی رہتی ہے لیکن عرس شریف کے دنوں میں ہزاروں لوگ اُمڈ پڑتے ہیں۔ دربار عالیہ پر ہر سال پانچ بار عُرس شریف کی تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے۔ ۲۶- جیٹھ کو میاں نظام الدین کیانویؒ کے یوم وصال پر بہت بڑی اور پُر وقار تقریب ہوتی ہے اسی طرح بکرمی تاریخ کے مطابق میاں عبداللہ المعروف بابا جی صاحبؒ کا عرس مبارک ۷ پھاگن کے دن اور الحاج میاں نظام الدینؒ کا عرس بکرمی ۲۶ رکارتک کو منایا جاتا ہے۔ اور عقیدت مند ہزاروں کی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔ اور وادی کشمیر، پونچھ، راجوری

مینڈھر، سرنکوٹ، تھنہ منڈی، بدھل، کالاکوٹ اور جموں کے دوسرے اضلاع کے علاقہ جات ہندوستان یا پاکستان اور کشمیر کے دوسرے حصے سے آئے ہوئے زائرین بھی عقیدت اور احترام کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ بابانگری میں جگہ جگہ لوگ ہی لوگ ہوتے ہیں۔ کہیں جگہ نہیں ملتی وہ دیوداروں کے نیچے الاؤ جلا کر بیٹھ جاتے ہیں اور باباجی صاحبؒ کا کلام ایک دوسرے کو گا کر سناتے ہیں اور ساری رات درود واذکار پڑھتے رہتے ہیں۔ دربار شریف پر عقیدت مندوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ لوگ یہاں کی مٹی اور گھاس کو بھی تبرک کے طور پر حاصل کرتے ہیں۔ یوپی اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے بڑے بڑے علما اور مبلغ بلائے جاتے ہیں۔ جو اسلامی تعلیمات کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہیں عرس والی رات کو ختمات کے لئے عمارت کے بڑے کمروں میں ساری رات ختمات اور قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے۔ رات کو مہمانوں اور زائرین کو بڑھیا کھانا دیا جاتا ہے۔ جس میں گوشت بھی شامل ہوتا ہے۔ شب بھر چائے اور قہوہ کے دور چلتے رہتے ہیں۔ یہ رات فیوض و برکات کی رات ہوتی ہے۔ جس میں لوگوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ ارادتمند مصیبت سے نجات حاصل کرنے اور مرادیں پوری کرنے کے لئے حضرت باباجی صاحبؒ کی دیگ کی منت مانتے ہیں۔ اور مراد پوری ہونے کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔

یہ بہت بڑی تانبے کی دیگ ہے جسے حضرت باباجی صاحبؒ نے خود زینہ کدل سرینگر سے خریدا تھا۔ اس دیگ میں تقریباً ایک کوئنٹل میٹھے چاول پکائے جاتے ہیں۔ عرس شریف کے دن وانگت شریف میں مقدس ایام ہوتے ہیں۔ دربار شریف میں مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ ختمات پڑھے جاتے ہیں روحانی مجالس اور دعائیہ تقریبات ہوتی ہیں۔ عقیدت مندوں کی عبادت وریاضت سجادہ نشین میاں بشیر احمد صاحب کا خلوص اور زیر خیر درگاہ شریف کے تقدس سے اتنی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو انسانی ذات کو ذات پاک کے قریب کر دیتی ہے۔

حضرت باباجی صاحبؒ کے وقت سے جاری سدا بہار لنگر شریف کا خرچہ زمینوں سے ہونے والی آمدن کے علاوہ عقیدت مندوں کی نذر نیاز سے بآسانی چلتا ہے۔ چونکہ اس زیارت سے ریاست بھر کے عوام کی عقیدت اور

وابستگی ہے اس لئے لنگر کو جاری رکھنے میں کہیں دقت پیش نہیں آئی لنگر شریف میں پکنے والی عام غذا مکی کی روٹی مرچی کی چٹنی اور لسّی ہے۔ ریاست کے مختلف علاقوں سے یہاں بڑھیا سفید مکی لائی جاتی ہے۔ اور لنگر کی پن چکی (گھراٹ) پر پیس کرا سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ لنگر کے تندوروں میں پکی ہوئی مکی کی روٹیوں کی سوندھی سوندھی خوشبو کراری چٹنی اور ٹھنڈی لسی کو پی کر قلبی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ یہ کھانا بڑی محبت کے ساتھ پروسا جاتا ہے۔ اور بڑی عقیدت کے ساتھ کھایا جاتا ہے کچھ زائرین لنگر کی روٹی کو تبرک کے طور گھر لے جاتے ہیں اور بعض اوقات روٹی کا ایک ٹکڑا آٹے کے برتن میں برکت کے طور پر رکھتے ہیں۔

لنگر کی لسی اور روٹی کھانے سے بیمار لوگ شفا پاتے ہیں باباجی صاحبؒ کے زمانہ سے لے کر آج تک کئی کوڑھ کے مریض اس کو کھانے سے ٹھیک ہوئے۔ حضرت باباجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''جس نے میرے عقیدت مندوں کے ساتھ بیٹھ کر خوشی کے ساتھ لنگر کی لسّی پی اور روٹی کھائی اور مالک نے مجھے انشاءاللہ جنت نصیب فرمائی تو اُسے بھی ساتھ لے جانے کی سفارش کروں گا۔'' یہی وجہ ہے کہ آج بھی ریاست جموں وکشمیر کے کونے کونے سے زیارت شریف کے دیدار اور لنگر کی طلب میں زائرین گاڑیوں میں اور پیدل چل کر یہاں تک آتے ہیں۔[1]

بقول رانا فضل حسین راجوروی :-

سدے سدے جے کوئی مناں بابا کے دروازے
لسی گوگی لنگر کی تھی زرا علاج رے مھارا

[1] چودھری اقبال عظیم

سنجوڑا

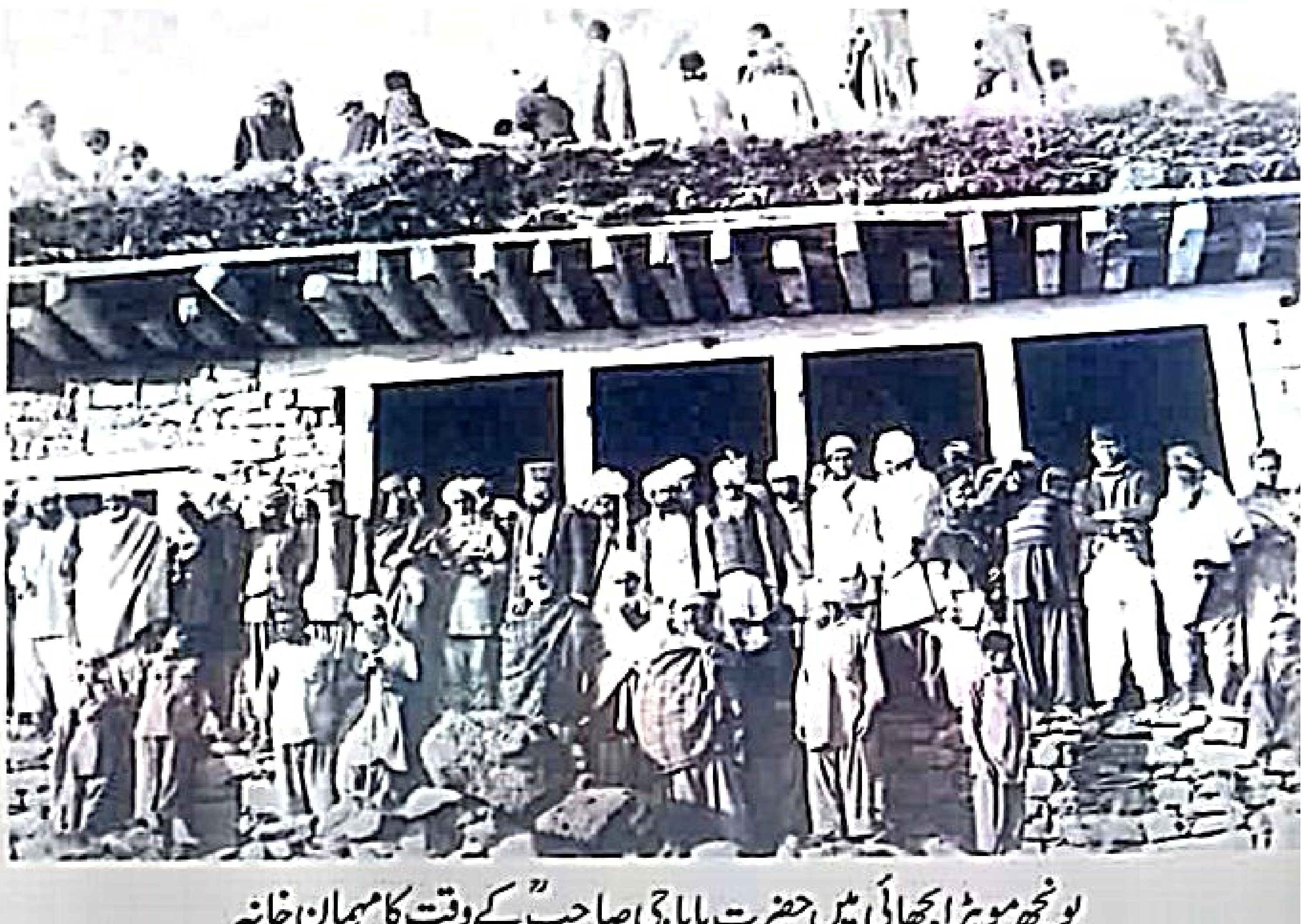
سنجوڑا گاؤں وادی کاغان کے علاقہ بالاکوٹ میں واقع ہے۔ یہ گاؤں بالاکوٹ قصبے سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے[1]۔ آزادی سے پہلے سنجوڑا تحصیل مانسہرہ کا حصہ تھا جو ضلع ہزارہ میں پڑتا ہے۔ ضلع ہزارہ موجودہ پاکستان کے صوبہ خیبر پختون خواہ (صوبہ سرحد) کا حصہ ہے سنجوڑا کے سرحدی ضلع مظفرآباد کے علاقہ دراوہ کے ساتھ ساتھ شمال اور شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ وادی کنہار میں بالاکوٹ دریا کے اُس پار دیودار، کائیں اور چیڑ کے گھنے گھیر یدار جنگلی سلسلوں کی آغوش میں سرسبز گھاس اور رنگ برنگے قدرتی پھولوں سے سنجوڑا کے بالائی حصے میں واقع نمایاں ڈھوک کا دلفریب منظر جہاں پہاڑی ندی کا اُچھلتا شور مچاتا دودھیا آبشار بنا ہوا ہے۔ وہاں صاف شفاف پانی قل قل بہتے جھرنے ٹھنڈے میٹھے پانیوں کے چشمے، بھیڑ، بکریوں کے اور گھوڑوں کے ریوڑ جنگلوں سے چھن کر آنے والی خنک ہوا کے جھونکے معتدل اور مرعوب، موسمی حالات کے درمیان بانکے سرکش اور شہ زور لوگوں کی بستی مشقت کے بعد قبیلے کے لوگوں کی چھتنار درختوں تلے کچہریاں، جرگے، مجالس، دین دُنیا کے مسائل، اللہ اور رسول ﷺ کی باتیں حالات وواقعات پر تبصرے رات کو الاو کے قریب آپس میں بارہ ماسے اور سی حرفیاں گانے والوں کے مقابلے، صوفیانہ کلام سے محظوظ ہوتے ہوئے قبیلے کے لوگ اُن کی بے خوف زندگی بے خطر حیاتی اور آپس میں بے بہا محبت قبیلے کا بڑا اثاثہ تھی۔ اُس دور میں جب پورا پنجاب سرکش اور باغی لوگوں کے عتاب سے لرز رہا تھا[2]۔

[1] گجری گوجری زبان وادب تحریر رام پرساد کھٹانہ...... [2] عبدالغنی عارف بابا جی صاحب نمبر گوجری صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۹

Gujjars of jammu and Kashmir by k. warkoo



جناب میاں بشیر احمد صاحب روضہ مُبارک حضرت خواجہ میاں نظام الدین کیانوی ؒ کے سامنے



پونچھ موہڑا بچھائی میں حضرت باباجی صاحب ؒ کے وقت کا مہمان خانہ

کاغان بالاکوٹ کی ننجوڑ ابستی کے بجران گجر عزت محبت اور خلوص کے جذبوں سے لبریز بڑی آزاد، بے ساختہ اور فطرت کے قریب آسودہ حال زندگی گزار رہے تھے۔ اور اس قبیلے کے بزرگ اللہ اور رسول ﷺ کی لگن میں مگن تھے۔

۱۸۶۳ء میں پیدائش اور روشن مستقبل کی پیش گوئی:[1]۔ ننجوڑہ کی نمانیاں ڈھوک میں بڑے بڑے علما روحانی شخصیتیں اور اہل دین لوگ ہوئے ہیں۔ جنھوں نے اپنے دور میں دین دنیا کی بھلائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ان ہی بزرگان میں حضرت خواجہ حافظ کمال اللہ صاحبؒ بھی تھے جن کی نسل سے بجران قبیلہ ننجوڑہ میں آباد ہوا۔

حضرت خواجہ کمال اللہ صاحب کے پانچ صاحبزادے یعنی حضرت حافظ ولی محمدؒ، حضرت حافظ شاہ محمدؒ حضرت حافظ نور محمدؒ، حضرت ولی اللہؒ اور حضرت حافظ نظر اللہ صاحبؒ تھے۔ جنھیں برادری میں چھوٹے ناموں یعنی ''بڑا بجران'' ''سردار بجران'' اور ''مقدم بجران'' کے ناموں سے بھی پکارتے تھے جبکہ سب سے چھوٹے بھائی خواجہ حافظ ولی اللہ صاحبؒ کی تیسری پشت میں حضرت خواجہ میاں فضل گل صاحبؒ تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کا نام حلیمہ بی بی تھا۔

جب حضرت مائی حلیمہ اُمید سے تھیں تو تکلیف رہنے لگی۔ آپ برادری کے ولی کامل مولانا نظام الدین المعروف مولوی دادا کے پاس گئیں اور اپنی تکلیف بتائی اُنھوں نے جواب دیا کہ ''ولی اللہ کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس لئے بلا ناغہ اور باوضو نماز ادا کیا کریں۔'' برادری کے بزرگ بھی اکثر کہا کرتے تھے کہ ''ننجوڑہ میں معرفت کا ایک پھول کھلے گا جس کی خوشبو دُور دُور تک پھیلے گی۔'' جب حضرت میاں فضل گل صاحبؒ کے گھر بچے کی پیدائش ہوئی تو مولوی دادا صاحب جو تقریباً پانچ کلو میٹر دُور رہتے تھے اچانک تشریف لے آئے بچے کو گود میں لیا کان میں اذان دی اور عبداللہ نام رکھا پھر گھر والوں سے کہا کہ ''اس بچے کا خاص خیال رکھیں بول چال کے وقت

[1] حضرت میاں بشیر احمد ☆ اقبال عظیم چودھری

میں بھی اللہ کی طرف دھیان رکھا جائے کیونکہ یہ بچہ مادرزادہ ولی ہے۔اور آنے والے دور میں رحمت کا نور بن کر چمکے گا۔" چنانچہ اسی لحاظ سے آپ کی پرورش ہونے لگی آپ کی ولادت موضع سنجوڑہ میں غالباً ۱۸۶۳ء میں ہوئی۔ابھی آپ کی عمر چار برس کی ہی تھی کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔گھر میں کوئی اور کمانے والا نہ تھا۔اس لئے زندگی کسمپرسی میں گزرنے لگی۔ان حالات میں والدہ آپ کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چلی گئیں جب آپ کی عمر چار پانچ سال کی ہوئی تو آپ عبادت و ریاضت کی طرف مائل ہونے لگے لیکن ماموں نے قبیلے کے دوسرے بچوں کی طرح آپ کو بھی مویشی چرانے کے لئے بھیجنا شروع کر دیا۔بابا جی صاحبؒ کا دنیاوی باتوں کی طرف رجحان نہ تھا اس لئے وہ زیادہ تر وقت عبادت اور یاد الٰہی میں ہی گزارتے تھے۔باقی کا وقت تنہائی میں بیٹھ کر ریاضت میں گزارنے لگے۔اور ماموں کو بابا جی صاحبؒ کا یہ عمل گوارا نہ ہوا اور ایک دن بچے سے شکوہ کیا کہ "اب تُوں نمازی بن گیا ہے اور تجھ سے کام نہیں ہو سکتا۔"

آبائی مسکن میں قیام اور طویل چلہ کشی:- والدہ محترمہ آپ کو پھر سے اپنے گھر لے آئیں اور محنت مشقت کر کے مُشکل ترین حالات میں زندگی گزارنے لگیں والدہ محترمہ مذہبی خاتون تھیں اور عبادت میں محو رہتی تھیں۔ اس لئے اپنے لختِ جگر کی روحانی نشو نما میں بڑی معاون ثابت ہوئیں۔اس پرہیز گار اور شفیق خاتون نے روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے سعادت مند بیٹے کو قرآن مجید پڑھنے کے لئے برادری کے ایک عالم قاضی محمد عبداللہ صاحب کے پاس بھیجنا شروع کیا لیکن مالی مجبوریوں کے باعث تعلیم کا سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا اور سات پارے قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کے بعد تعلیم کو اُدھورا چھوڑنا پڑا۔

حضرت بابا جی صاحبؒ کی مالی حالت اچھی نہ تھی والدہ محترمہ کے پاس زندگی کا سارا اثاثہ ایک سوتی چادر تھی آبائی گھر بوسیدہ ہو چکا تھا اور رہنے کے قابل نہ تھا لیکن خوش بخت بیٹے کے بارے میں انہیں پیشن گوئیاں یاد تھیں اس لئے اُنھوں نے محنت مشقت کرنے کی کوشش کی جب یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا تو والدہ نے اپنے جگر گوشے کو

صلاح دی" بچہ اور کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کو یاد کر" والدہ کی اجازت ملنے کے بعد باباجی صاحبؒ گھر سے نکل پڑے۔ وقتِ رخصت والدہ محترمہ نے اپنی چادر اُتار کر بیٹے کو دی باباجی صاحبؒ نے عرض کیا" آپ کیسے گزارہ کریں گی" مہربان ماں نے جواب دیا" بیٹا میری فکر نہ کرو میں نے تمہیں خُدا کے سپرد کیا ہے۔ میرا تجھ پر کوئی حق نہیں مگر خُدا کا حق ادا کرنا اس لئے جاؤ اور خدا کے ہو جاؤ۔"

والدہ محترمہ سے اجازت پا کر باباجی صاحبؒ آبائی قبرستان میں آئے اور زمین کھود کر ایک عبادت خانہ تیار کیا اور عبادت میں محو ہو گئے۔ اس چلّہ کا ذکر حضرت باباجی صاحب نے اسرار کبیری میں یوں فرمایا ہے۔" ہم نے پھر اپنے آباؤ اجداد کے گورستان میں ایک عبادت خانہ جلدی تیار کیا اور سب سے الگ ہو کر کھانا پینا اور سونے کو قلیل کر دیا اور خلوت گزین ہو کر عبادت اور ریاضت سے تکلیف برداشت کرنی شروع کی۔"

دو برس تک وہاں چلّہ کیا۔ کسی جنازہ یا عید کے دن لوگوں سے ملتے بھی رہے۔ اسی دوران والدہ محترمہ رحلت فرما گئیں۔ آپؒ اُن کے جنازے میں شامل ہوئے۔ پھر اپنی والدہ کی قبر کے ساتھ بنائی ہوئی قبر میں تشریف لے گئے اور پانچ برس تک اُس قبر سے باہر نہیں آئے وہ جب اندر داخل ہوئے تھے۔ اڑھائی دانہ کھجور اُن کے پاس تھے۔ جب اندر سے آواز آنی بند ہو گئی تو لوگوں نے سمجھا شاید وفات پا گئے ہیں۔ قبر کو کھودا تو دیکھا آپ پانچ برس کے بعد بھی ٹھیک ٹھاک تھے۔ اور دوزانوں بیٹھے ہوئے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ باباجیصاحبؒ کے مُرشد غائبانہ طور چار بار انہیں ملے تھے۔

مرشد کی تلاش:[1] ۱۸۸۰ء کا واقع ہے۔ اُس وقت حضرت باباجی صاحبؒ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اور موصوف ولایت کے اُس مقام پر تھے جہاں ہر وقت حقیقی وصل کی تڑپ انہیں متحرک رکھتی تھی۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے۔ جب ایسے رہبر کامل کی ضرورت پڑتی ہے جو روحانیت کی طرف صحیح سمت کا تعین کر سکے۔ وہ لوگ جو بندگی کی لذتوں سے آشنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ اُن کے لئے مرشد کی تڑپ بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے آپ کا دھیان ہمہ وقت مرشد کی جستجو میں محو رہتا تھا۔ اسی دوران ننجوڑا میں گھاس کاٹنے کا موسم تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ آپؒ دن بھر

[1] اقبال عظیم چودھری

حضرت مولٰنا نظام الدینؒ المعروف ''مولوی دادی'' کی ''لیتری'' میں گھاس کاٹتے رہے۔ شام کو افطار کا وقت آیا تو مولوی دادا نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ''ملاں عبداللہ کو دوسروں سے الگ صاف ستھرے برتنوں میں کھانا دیا جائے۔'' موصوف کو شک پڑ گیا کہ شاید مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی جس کے باعث مولوی دادا نے انہیں الگ کھانا دیا ہے۔''

مولوی دادا نماز ادا کرنے لگے تھے کہ بیچ میں ہی رُک کر موصوف سے مخاطب ہوئے ''وہ بات نہیں جو توں سوچ رہا ہے آ اور مجھے نماز پڑھا۔ آپؒ نے مغرب کی نماز کے وقت امامت فرمائی اور ''مولوی دادا'' نے آپؒ کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی۔ آپؒ نے پوچھا ''میں کیا کروں'' مولوی دادا نے فرمایا ''اللہ اللہ کر'' آپؒ اپنی کتاب ملفوظات نظامیہ میں لکھتے ہیں کہ ''اُس وقت میرے ناخنوں سے لے کر سر کے بالوں تک ہر چیز سے ''اَللّٰہُ ھُوْ'' کی آواز آرہی تھی۔''

کچھ دنوں کے بعد باباجی صاحبؒ پھر مولوی دادا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصرار کیا کہ مجھے بیعت کریں اور روحانیت کے راستے پر موڑیں۔'' یہ سن کر مولوی دادا نے کہا کہ ''جو چیز تُوں سوچ رہا ہے وہ بات نہیں ہے۔ ہم تو قمریوں کی طرح چھوٹی چھوٹی اُڑانیں بھرتے ہیں۔ لیکن آپ ''شاہ باز'' ہو جس کی پرواز آسمانوں کو چھوتی ہے اسلئے آپ کو بیعت کرنے کی طاقت میرے اندر نہیں ہم تو صرف آپ کو اشارہ دے سکتے ہیں۔'' پھر فرمایا ''آپ کا حصہ علاقہ دراوہ میں غوث زمانہ خواجہ نظام الدین کیانویؒ کے پاس ہے۔⑤ آپ اُن سے ہی بیعت

---

⑤ اس سے پہلے بھی ایک بار جب موصوف غلہ خرید کر پردیس سے گھر کی طرف آرہے تھے تو راستے میں تھک گئے اور بوجھ اُتار کر سستانے لگے اتنے میں ایک شخص ظاہر ہوا اور کہا ''اپنا سامان مجھے دو میں یہ سامان گھر کے قریب پہنچا دوں گا'' چنانچہ اس نے غلے کا بوجھ اُٹھایا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا موصوف کو شک ہوا کہ شاید یہ شخص سامان لے کر چلتا بنا ہے۔ لیکن جب نجوڑہ میں گھر کے قریب سوہالہ کے پل کے پاس پہنچے تو ایک جگہ سامان صحیح سالم پایا مگر وہ شخص غائب تھا حقیقت میں یہ غیبی امداد تھی جو اُن کے مرشد نے انجام دی تھی تہجد کی نماز ادا کرتے وقت قبلہ رو کرنے والے بھی اُن کے مرشد ہی تھے۔

حاصل کریں۔اور اللہ کے حکم سے میں وہ پردہ اُٹھاتا ہوں تاکہ آپ کو مقام اپنا نظر آجائے۔"اسی دوران آپ نے خواب میں اپنے مرشد کو دیکھا جنھوں نے آپ کو اشارہ دیا کہ مشرق کی طرف آ اُس زمانہ میں کنیاں شریف مسلک نقشبندیہ مجددیہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔اور حضرت میاں نظام الدین کی رہنمائی سے سارا علاقہ فیضیاب ہورہا تھا۔علاقہ بالاکوٹ سے بھی اکثر قافلے کنیاں شریف دربار میں حاضری دینے جایا کرتے تھے۔چنانچہ باباجی صاحبؒ کنیاں شریف چلے گئے جس کا اظہار آپ یوں فرماتے ہیں [1]

شکر کراں اُس جانی والا جس تیرے تیک پہنچایا
فی دارین پکاراں پیا دیوں اجر خدایا

---

[1] باباجی صاحب لاروی نمبر صفحہ ۶۸-۶۷.......تحریر حضرت میاں بشیر احمد صفحہ نمبر ۲۰۲... [2] تحریر میاں الطاف احمد

بیعت اور خلافت سے سرفرازی

۱۸۸۰ء میں نومبر کا مہینہ تھا سوموار[1] کا دن تھا حضرت باباجی صاحب" مولوی دادا کے حکم کے مطابق کنیاں شریف منگل دھار کی طرف تشریف لے گئے کنیاں شریف نجوڑا سے ۱۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے راستہ بھی دشوار گزار تھا راستے میں گھوڑی ٹیٹوال کے درمیان کوٹلہ کے مقام پر رات پڑ گئی رات کو تہجد کی نماز کے لئے آپ نے وضو کیا اور ایک سِل پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے لگے لیکن وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں سے قبلہ کا تعین کرنا ممکن نہ تھا۔

[1] دربار کنیاں شریف اٹھارویں صدی عیسوی کا یہ وہ دور تھا جب سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا مرکز ضلع مظفر آباد کے علاقہ دراوہ میں قائم ہو چکا تھا جہاں ایک گاؤں کنیاں پنجاٹھ سر بلند پہاڑی سلسلوں اور جنگلوں سے گھیرا ہوا تھا یہ گاؤں آگے چل کر کنیاں شریف کے نام سے مشہور ہوا۔ کنیاں شریف میں جو بزرگ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیم دے رہے تھے۔ اُن کا اسم گرامی حضرت میاں نظام الدین اولیا تھا۔ جن کے پاس دُور دُور سے لوگ فیض حاصل کرنے کے لئے آتے تھے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس مسلک میں دین کی پابندی اور قرآن وسنت کی تابعداری لازمی قرار دی جاتی ہے۔

حضرت میاں نظام الدین کیانوی کے اجداد مغل عہد میں شاہی کاروانوں کے ساتھ افغانستان سے دہلی آئے اور کئی پشتوں تک دہلی میں قیام کیا ستارویں صدی عیسوی میں حضرت بابا نظام الدین اولیا کے والد محترم حضرت طوک خان بڑے دیندار اللہ والے باکمال بزرگ اور قبیلے کی سرکردہ شخصیت ہوا کرتے تھے۔ کسی وجہ سے دہلی میں آپ کی طبعیت اوچاٹ ہو گئی اور آپ اپنے قافلے کے ساتھ دہلی سے مانسہرہ آ گئے یہاں کچھ عرصہ قیام ہوا۔ پھر مانسہرہ کے قریب واقع علاقہ "بفہ" میں سکونت کے لئے آئے جہاں اُس وقت سید قبائل آباد تھے۔ دونوں قبائل میں تصادم ہو گیا اور شام ہوتے ہوتے طوک خان صاحب کے قبیلے کے افراد نے بفہ علاقے پر قبضہ کر لیا ان حالات میں مقامی سیدوں نے آپس میں مشورہ کر کے اپنے ایک بزرگ کو صلح کے لئے بھیجا وہ بزرگ قرآن شریف ہاتھ میں لے کر حضرت طوک خان کے پاس آئے اور التدعا کی کہ بفہ علاقے میں سید صدیوں سے آباد ہیں۔ اور ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ یہاں سے اپنا قبضہ اٹھا لیں حضرت طوک خان اس سید بزرگ سے نہایت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ آپ آرام سے اپنے گھروں میں رہیں ہم آپ کا علاقہ بھی چھوڑ دیں گے۔ آپ ریاست جموں وکشمیر میں واقع علاقہ مظفر آباد آ گئے کچھ عرصہ وہاں قیام ہوا پھر وادی نیلم میں گاؤں کنیاں جنجاٹھ آ گئے اور مکمل سکونت اختیار کر لی۔ جہاں حضرت طوک خان کا مزار آج بھی موجود ہے۔

اس لئے آپؒ نے جونہی نماز شروع کی عین وقت پر کسی نے کاندھے سے پکڑ کر آپ کو قبلہ رو کر دیا پھر نماز کی امامت فرمائی اور غائب ہو گئے۔ جب آپ دربار کنیاں شریف پہنچے تو حضرت کیانویؒ نے آپؒ سے فرمایا فرآپؒ سے ہمکلام ہوئے۔ ''توں کون ہے کہاں رہتا ہے تیرا حسب نسب کیا ہے۔'' جواب میں آپؒ نے عرض کیا کہ'' حضرت میں بجران قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں کھ غریب اور بے سہارا ہوں اور میرے والدین بھی اسی طرح کے ہیں۔''

کھ کنیاں شریف میں سکونت کے بعد حضرت ملوک خان صاحب نے اپنے صاحبزادے حضرت میاں نظام الدین کو تونسہ شریف میں واقع خواجہ سلیمان تونسوی کی درس گاہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا جہاں حضرت کیانویؒ نے چھ برسوں تک تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ دوران تعلیم آپ نے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے ہاتھوں سلسلہ چشتیہ میں بیعت حاصل کی اور وطن آ کر عبادت و ریاضت میں محو ہو گئے لیکن آپ کا رجحان سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی طرف تھا۔ آپ اس سلسلہ کی طرف مائل ہوتے چلے گئے اسی دوران آپؒ پیرلعابدین صاحب کے پاس بیعت ہونے کے لئے آئے جو تماکو کا نشہ کرتے تھے۔ آپؒ کو باطنی طور پر اشارہ ہوا۔ آپ کا پیر ماگم شریف وادی کشمیر میں ہے۔

ہاڑ کا مہینہ تھا۔ جب حضرت میاں نظام الدین کیانویؒ اپنے مرشد کی تلاش میں ماگم شریف آئے اور حضرت صدیق میرؒ کے پاس پہنچے۔ اُس وقت حضرت میر صدیقؒ سبزی کی کاشت کھیت میں کر رہے تھے۔ حضرت کیانویؒ نے کھیت کی باڑھ کے قریب کھڑے ہو کر حضرت صدیق میر سے پوچھا کہ'' میں اندر آ جاوں۔'' حضرت صدیق میر صاحبؒ نے فرمایا کہ'' اگر آپ کا دل چاہتا ہے۔ تو ضرور آؤ'' چنانچہ حضرت میاں نظام الدین کیانویؒ کھیت میں داخل ہوئے اور حضرت صدیق میرؒ سے پہلی ملاقات کی اُسی کھیت میں حضرت صدیق میرؒ نے حضرت کیانویؒ کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ نے کنیاں شریف آ کر منگل دھار میں اپنا مقام قائم کیا۔ عبادت و ریاضت میں محو ہو گئے آپؒ مادر زاد ولی تھے۔ آپؒ نے منگل دھار میں پہاڑوں کے بیچ زبردست چلہ کشی کی اور روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ اسی دوران لوگوں کے کئی قافلے آنے شروع ہو گئے اور آپ نے لنگر جاری کر دیا۔ تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے مظفرآباد کے شمال میں واقع دور افتادہ گاوں کنیاں منگل دھار سلسلہ نقشبندیہ اور دینی تبلیغ کا مرکز بن گیا۔ امیر غریب چھوٹے بڑے ہندو مسلمان سب آپ کے دربار سے فیض حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ اُس وقت ریاست جموں و کشمیر میں ڈوگروں کی حکومت تھی اور مہاراجہ پرتاب سنگھ کا دور تھا۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ خود آپ کے دربار میں حاضری دینے منگل دھار کنیاں شریف گئے تھے اور تیرہ دنوں تک قیام کیا تھا۔

یہ سن کر حضرت پیر کیانویؒ جلال میں آگئے اور باباجی صاحبؒ کو فرمایا کہ ''چشمے پر جاکر ہاتھ پیر صاف کر کے آو۔'' آپ چشمے سے وضو کر کے واپس حاضرِ خدمت ہوئے مرشد پاک گھر کے اندر گئے اور کبھی ایک کونے میں تو کبھی دوسرے کونے میں گھومنے لگے قبلہ مائی صاحبہ کے پوچھنے پر بتایا کہ ''آج مجھے ایک ایسا برتن ملا ہے جس میں جتنی بھی خیر ڈالو سما سکتی ہے۔ اُس میں کافی گنجائش ہے۔'' حضرت اپنے پیارے مرید کو بیعت کرنے کو بیتاب تھے اور موصوف کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ ''میں کب سے آپ کے انتظار میں تھا میرا سینہ تجھے روحانیت کا دودھ پلانے کے لئے پھٹ رہا ہے۔ میں سوچا کرتا تھا تو کب آئے گا۔ اور میرا بوجھ ہلکا کرے گا بچہ ہم ازل سے تیرے واقف ہیں اور ابد تک ساتھ رہیں گے۔''

اُس کے بعد باباجی صاحب کیانویؒ نے آپؒ کو بیعت کیا اسلاف کی زیارت پر ساتھ لے گئے۔[۵]

۵۔ اسی قیام کے دوران مہاراجہ نے منگل دھار پن چکی کے قریب ایک باغ بھی تعمیر کرایا تھا۔ اسی دوران باباجی صاحبؒ بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ہاتھوں بیعت ہوئے اور اپنے مرشد کے حکم پر آپ نے تھوڑا سے ہردجی وانگت میں ہجرت کی تھی حضرت نظام الدینؒ کا وصال ۲۶ ربیٹھ ۱۹۵۳ بکری بمطابق ۱۸۹۶ء کو دربار کنیاں شریف میں ہوا۔

حضرت میاں نظام الدین اولیا نے تین شادیاں کی تھیں جبکہ ایک مائی صاحبہ سے کوئی بچہ نہ تھا۔ دوسری مائی صاحبہ کے بطن سے دو بیٹے حضرت میاں طسنین صاحب المعروف ''میاں صاحب'' اور حضرت قاضی عبدالمجید صاحب تھے جبکہ تیسری مائی صاحبہ کے بطن سے حضرت میاں عبدالرشید المعرف میاں مرزا صاحبؒ کی پیدائش ہوئی تھی۔ حضرت میاں نظام الدین اولیاؒ کے وصال کے بعد حضرت میاں طسنین صاحب ۱۸۹۶ء میں سجادہ نشین مقرر ہوئے تھے۔ آپ بھی بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ آپ کا وصال ۱۹۲۲ء بمطابق ۲۴ ہاڑ ۱۹۷۹ء بکری میں ہوا۔ آپ کے بعد حضرت مرزا عبدالرشید صاحب گدی نشین ہوئے۔ آپ شیر کرناہ کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔

۱۹۴۷ء جنوری میں آپ ریاست جموں وکشمیر کی پرجا سبھا میں ممبر بھی نامزد ہوئے۔ تقسیم وطن کے وقت حضرت مرزا عبدالرشید ہی دربار کنیاں شریف کے سجادہ نشین تھے آپ کے بعد میاں یاسین صاحب المعرف میاں طوطا صاحبؒ سجادہ نشین بنے۔ اُس وقت ریاست جموں وکشمیر کے پہاڑی علاقہ جات کرناہ، ہانڈی پورہ اور مظفر آباد میں اس زیارت سے وابستہ عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ آج بھی دربار کنیاں شریف میں ہر روز ارادتمندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ اس خاندان کے سرکردہ افراد سجادہ نشینی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

حضرت باباجی صاحبؒ کے حق میں دُعا کی شریعت کی پابندی کی ہدایت فرمائی اور قول و فعل کو سُنت کے مطابق بنانے کی تلقین کی پھر حضرت پیر کیانویؒ نے آپ کو خلافت دی اور نصیحت کی "اپنے نفس پر قابو رکھو حلال روزی کھاؤ اور پاک جگہ پر بیٹھ کر بتائے ہوئے وظائف پر بلاناغہ عمل جاری رکھو۔ خلافت حاصل کرنے اور بیعت ہونے کے بعد آپؒ سنجوڑا واپس آئے اور پھر سے چلّہ شروع کر دیا۔ لیکن چلّہ کے لئے حضرت کیانویؒ نے اجازت نہیں دی تھی۔ اس لئے جب انہیں غیبی طور پر علم ہوا تو پیغام بھیج کر موصوف کو کنیاں شریف بُلایا آپ تشریف لے گئے۔ جب کنّیاں شریف دربار پر پہنچے تو پیرو مرشد نے فرمایا "بچہ تو جلدی کیوں نہیں آیا مجھے تیری یاد نے سخت ستایا۔"

آپ نے عرض کیا کہ "میں نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں آپ مجھے سوئی کی نوک پر بیٹھا کر آسمانوں کی سیر کرا رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ سوئی کی نوک چونکہ آرام دہ جگہ نہیں اس لئے میں نے پھر سے چلّہ شروع کیا۔" پیرو مُرشد نے فرمایا کہ "اس خواب کی تعبیر یہ ہے۔ کہ تم کو شریعت کی پابندی کرنی ہے۔ دینِ محمدیؐ کی خدمت کرنی ہے۔ اور اپنے آپ کو دُنیا کی بھلائی کے لئے وقف کرنا ہے۔" پھر مُرشد پاک نے فرمایا "تیرے فراق میں آج میں تیرے گاؤں کی طرف گیا راستے میں بارش لگ گئی میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا اور تجھے یاد کر کے درخت سے بغل گیر ہو کر روتا رہا" پھر فرمایا "جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ میرے مویشی پانی پی کر تیرے گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور تیرے مویشی میرے گھر کی طرف آ رہے ہیں۔ میرا دودھ تیرے برتنوں میں اور تیرا دودھ میرے برتنوں میں آ رہا ہے میری فصل تیرے کوٹھاروں میں آ رہی ہے۔ اور تیری فصل میرے کوٹھاروں میں جمع ہو رہی۔" پھر فرمایا "اب میں اور مُلاں عبداللہ ایک ہی ہیں اور دُوری مٹ گئی ہے۔"

فرمایا "آپ کو دو بڑے کام کرنے ہیں۔ ایک ہجرت کرنی اور دوسرا لنگر جاری کرنا ہے۔" یہ سُن کر آپ نے عرض کیا "حضرت میں نے جنجال چھوڑ دیا ہے یہ کام میرے بس کا نہیں اور پھر میرے پاس لنگر جاری کرنے کے لئے اثاثہ بھی نہیں۔" یہ سُن کر حضرت کیانویؒ نے فرمایا "بوستان خان نام کا میرا مُرید ہے۔ اُس سے چار سیر جو

لے کر پیس لینا اور لنگر جاری کر دینا آگے کا انتظام اللہ پاک کرے گا۔ خیال رہے کہ روٹی اور لسی کے علاوہ اور کوئی چیز رکھنے کی اجازت نہیں اس کے بعد لنگر کو چلانے والا خُدا پاک ہے۔ یہ خُدا پاک کا ہی حکم ہے جو میں تجھے سنا رہا ہوں[1]۔"

پھر لنگر کے ثواب کے بارے میں سوال جواب ہوئے باباجی صاحبؒ نے عرض کیا "اس لنگر کا سارا ثواب آپ قبول فرمائیں۔" جواب میں آپؒ نے فرمایا۔ "میرے لنگر کا ثواب آپ کو اور آپ کے لنگر کا ثواب مجھے۔" اور کہا کہ "جو باپ کا آخری بیٹا ہے۔ وہ اپنے باپ کی سب چیزوں کا وارث مانا جاتا ہے۔ اس لئے سلسلہ کے لحاظ سے تو ہی میرا آخری بیٹا ہے۔" چنانچہ حضرت کیانویؒ نے آپؒ کے بعد کسی کو خلافت نہیں دی۔ پھر آپؒ نے کہا "لنگر جاری رکھنے کے لئے وسائل تو ہونے چاہیئے۔" حضرت کیانویؒ نے جواب دیا۔ "لنگر حلال کی کمائی سے جاری رہنا چاہیئے اور حلال کی کمائی کے لئے سب سے اچھا پیشہ زمینداری ہے۔ اسلئے زمینداری کریں اور اُس پیسے سے لنگر جاری رکھیں۔" پھر موصوف رخصت ہو کر واپس نجوڑا آگئے۔ اور ہدایت کے مطابق عمل کرنے لگے اور ذکر اللہ میں مشغول ہوتے اور تمام شب ریاضت میں گزار دیتے اور ہر طرح شریعت نبوی کی پابندی کرتے اس طرح ایک سال کا عرصہ اپنے دولت خانہ پر گزارا جب دوسرا سال آیا تو پھر مُرشد کے دربار میں حاضر ہو گئے تو حضرت کیانویؒ بڑی شفقت سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا۔ "لخت جگر تو نے کچھ دینوی علوم بھی حاصل کیا ہے۔" باباجی صاحبؒ نے عرض کیا "حضرت صرف سات پارے ناظرہ قرآن شریف پڑھا ہیں[2]۔"

---

[1] عبدالغنی عارف [2] میاں ارشاد



حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ موہڑا شریف کوہ مری (پاکستان)

Hazrat Haji Baba Syed Nooran Shah Noorani Kazmi...

سنجوڑہ میں لنگر کا اجراء

کٹیاں شریف سے واپس آکر باباجی صاحبؒ نے اپنے پیرومُرشد کے حکم پر اور اللہ کے نام پر لنگر جاری کر دیا۔ سنجوڑہ شریف میں آپ نے نو برس تک مسلسل لنگر جاری رکھا اور ۱۸۹۳ء میں اُن کی ہجرت کے وقت یہ لنگر جاری تھا۔ اس حساب سے سنجوڑہ میں لنگر شروع کرنے کا سال ۱۸۸۳ء بنتا ہے۔ اسی دوران شریعت کے مطابق سماجی اور معاشرتی زندگی شروع کی زمینداری کی اور عبادت و ریاضت میں محو رہنے کے ساتھ ساتھ دنیاداری اور خانہ داری کو بھی سرانجام دیا اب دُور دُور تک آپ کی روحانیت کے چرچے ہونے لگے عقیدت مند اپنی حاجتیں اور مرادیں لے کر آپ کے دربار کی طرف آنا شروع ہوئے۔ حضرت میاں نظام الدین کیانویؒ نے آپ کو معرفت اور روحانیت کی بلندیوں تک پہنچایا اور طریقت کی راہیں روشن فرمائیں پھر آپؒ نے اپنے آپ کو لوگوں کی روحانی تسکین کے لئے وقف کر دیا۔[1]

''جی صاحب'' کی وجہ تسمیہ:- باباجی صاحبؒ کے لقب کے بارے میں حضرت میاں بشیر احمد نے اپنے دورہ آزاد کشمیر کے دوران کنیاں شریف زیارت پر حضرت میاں طوطا صاحبؒ کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جی صاحب'' کا لقب باباجی صاحبؒ کو عبادت کے باعث حاصل ہوا تھا موصوف نے خُدا کی عبادت اور ریاضت میں جو منزلیں حاصل کیں اُس کے باعث عام لوگ آپ کو کوئی جی کہتا تھا۔ کوئی جی صاحب اور پھر وہ اسی نام سے مشہور ہوئے اور دھیرے دھیرے یہ نام جی صاحبؒ سے باباجی صاحبؒ مقبول ہوا۔ آپ کے مُرید اور عقیدت مند آج بھی آپ کو ''جیصاحب'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔'' باباجی صاحبؒ کے وقت کا ایک سماوار دربار شریف میں موجود ہے جس پر جی صاحبؒ لکھا ہے۔

---

[1]: باباجی صاحب نمبر پہاڑی کریم اللہ قریشی

۱۸۸۲ء تا ۱۸۹۳ء کے حالات

۱۸۸۰ء میں کنڈیاں شریف دربار پر حضرت نظام الدین کیانویؒ کے ہاتھوں بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کرنے کے بعد واپس نجوڑہ شریف آ گئے اپنے مُرشد کے حکم پر زمینداری شروع کی گھر بنایا اور ۱۸۸۳ء میں لنگر جاری کر دیا۔ دھیرے دھیرے لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا اور مرادیں پوری ہونے لگیں اور آپ کا مرتبہ بڑھا اور شناخت ہونے لگی۔ اسی دوران آپ کو اپنے مرشد کی طرف سے غیبی اشارے ملتے رہے۔

آپ نے ازدواجی زندگی اختیار کی لیکن پہلی بیوی سے اولاد نہ ہوئی پھر دوسری شادی قبیلہ میں کی جس کے بطن سے حضرت رُکن عالمؒ کی ولادت ہوئی روحانیت کا سلسلہ جاری رہا۔ اپنے گاوں کے اولیا بزرگ مولوی دادا کی محبت نے اس روحانی جذبے کو اور زیادہ جلا بخشی آپ پھر ہر وقت بندگی میں محو رہنے لگے اور اللہ اللہ پکارنے لگے اس روش پر قبیلہ کے اکثر لوگوں نے دوری اختیار کی اور دوست واحباب نے منہ پھیر لیا اس مشکل ترین دور میں آپ نے اللہ پر بھروسہ نہیں چھوڑا اور کہا ''اے اللہ اب تو ہی میرا ہے۔''

یہ وہ دور تھا جب نجوڑہ سے دُور کشمیر کے پہاڑوں تنگ گھاٹیوں اور جنگلوں کے قریب واقع آبادیوں اور بستیوں میں مقیم گجر بکروال اور پہاڑی طبقوں کے لوگ غلامی کی چکی میں پس رہے تھے ان کی اکثریت ناخواندہ تھی اس لئے دین سے غافل تھے شریعت سے ناواقف تھے اور توہم پرستی ودیگر سماجی بدعتوں میں گرفتار تھے۔ ان

لوگوں میں قرآن اور سنت کی تبلیغ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حملہ کشمیر کے بعد پھر شخصی عہد میں عتاب کا نشانہ بنایا گیا انہیں اپنے آبائی قصبوں اور گاؤں سے ہجرت کر کے پہاڑوں کے جنگلوں دور افتادہ علاقوں میں پناہ گزین ہونا پڑا تھا جہاں ان کا اثاثہ چند مویشی کچھ برتن، ڈھیر ساری غربی ڈھیر ساری بیماریاں اور ڈھیر ساری بگار تھی ان لوگوں کا نہ تو کوئی سیاسی رہنما تھا نہ مذہبی طور پر کوئی پیشوا یا رہبر تھا۔

یہی وہ حالات تھے جن پر قابو پانے اور بے سہارا لوگوں کا سہارا بننے کے لئے مُرشد کامل نے حضرت باباجی صاحبؒ کو اشارے دیئے کہ آپ کے اندر کے روحانی چشمے ان لوگوں کی بنجر زندگیوں کو سیراب کر کے انہیں دینی اور دنیاوی طور پر آسودہ کر سکتے ہیں۔

حضرت میاں رُکن عالمؒ کی ولادت

چودھری اقبال عظیم نے ایک گفتگو میں بتایا کہ اسی دوران (غالباً ۱۸۸۶ء بروز سوموار صبح کے وقت حضرت باباجی صاحبؒ کے گھر چاند سے بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام حضرت میاں رُکن عالم رکھا گیا) حضرت میاں رکن عالم شیر خواری کے عہد جمعہ کے دن دودھ پینا چھوڑ دیتے تھے۔ اور شام تک روزہ میں رہتے تھے، جب اڑھائی سال کی عمر ہوئی تو آپ نے بات کرنا سیکھی[1]

سب سے پہلے آپ نے جو لفظ بولا وہ ''لا الا اللہ'' تھا پھر آپ نے ہر روز مسجد میں آنا شروع کر دیا۔ جب مسجد میں قدم رکھتے تو حاضرین سے مخاطب ہوتے کہ ''بزرگو اور نیک بندو اپنے دل کو ذکر نفی اثبات کی ضرب لگاؤ'' جب حضرت میاں رکن عالمؒ کی عمر پانچ سال کی تھی تو ایک دن والد محترم کے روبرو پیش ہوئے اور عرض کیا کہ ''رات کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس میں ایک دینی شخصیت ظاہر ہوئی فرمایا کہ ''میں آپ کے والد محترم کا

[1] میاں ارشاد احمد

مرشد ہوں اور آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کرنے آیا ہوں۔" پھر مجھے بیعت فرما کر سلسلہ میں داخل کیا۔" باباجی صاحبؒ نے بیٹے سے کہا۔ کہ "اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔[2]"

---

[2] حضرت باباجی صاحبؒ اپنے خاندان کے ساتھ جب وانگت آئے تو میاں رُکن عالم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ مادرزاد ولی تھے اور بچپن سے ہی لوگوں کو روحانی کشف سے نوازنے لگے تھے۔ حضرت میاں رکن عالمؒ کے پاس بھی لوگ فیض حاصل کرنے کے لئے آنے لگے ایک دن حضرت میاں رُکن عالمؒ گیارہ پلی وانگت کے قریب کھڑے تھے جہاں کچھ انگریز شکار کرنے آئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے کسی سے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے جس کے ساتھ اتنے آدمی چل رہے ہیں۔ بتایا کہ یہ حضرت قبلہ باباجی صاحب کے لختِ جگر ہیں۔ اور ولی ہیں۔ انگریز حضرت میاں رُکن عالم کے روبرو پیش ہوئے اور کہا کہ ہم شکار کرنے آئے تھے مگر نہیں مل رہا۔ حضرت میاں رکن عالمؒ نے کہا کہ فلاں مقام پر جاؤ شکار خود آپ کے پاس آجائے گا۔

وہ انگریز اُس مقام پر پہنچے تو ریچھ سامنے آگیا انگریزوں نے شکار کیا اور خوشی سے واپس آئے تو راستے میں پھر میاں رُکن عالمؒ سے ملاقات ہو گئی انگریز نے کچھ نقدی پیش کرتے ہوئے دُعا کے لئے کہا تو آپ نے روپے دُور پھینک دیئے اور فرمایا فوراً میری آنکھوں سے دُور ہو جاؤ تمہاری مراد پوری ہو گئی ہے۔

حضرت میاں رکن عالمؒ نو برس کے تھے کہ ایک رات حضرت باباجی صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ میاں رکن عالمؒ کے ہاتھ پاؤں سے جان نکلی ہوئی ہے۔ اسی دوران میاں رکن عالمؒ ڈرے ہوئے والد محترم کے کمرہ میں داخل ہوئے۔ اُس وقت آپ کو بخار تھا۔ نو روز تک بخار میں مبتلا رہے۔ پھر پندرہ یوم کی بیماری کے بعد آپ کا وصال بابانگری وانگت میں ۲۶ صفر بدھوار کو ہو گیا۔

آپ کی تربت مبارک بابانگری میں مغرب کی جانب لامن میں قائم ہے جہاں آج بھی لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں۔ روایت ہے کہ لامن کے لوگ چاہتے تھے۔ کہ حضرت باباجی صاحبؒ وہیں قیام کریں اور وہیں اُن کا دربار قائم ہو۔

اُن کی اس خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے جب حضرت میاں رُکن عالمؒ نے رحلت فرمائی جو مادرزاد ولی تھے تو حضرت باباجی صاحبؒ نے اُن کی زیارت لامن میں قائم کرنے کی اجازت دے دی چنانچہ میاں رُکن عالمؒ کو لامن میں سپردِ خاک کیا گیا اور وہیں اُن کی زیارت قائم ہوئی ہے۔ جہاں آج بھی عقیدت مند حاضری دینے جاتے ہیں۔

مُرشد کے حکم پر بیعت کرنے کا آغاز

اگلی بار جب حضرت باباجی صاحبؒ مرشد کے دربار میں حاضر ہوئے تو حضرت کیانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ "آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اپنی بیعت میں داخل کیا کرو اور خلق کو اللہ کی راہ میں ہدایت کی رہنمائی فرمایا کرو۔ اور جب دوسری دفعہ ہماری ملاقات کے لئے آؤ تو بہت سے آدمیوں کو بیعت کر کے ہمراہ لانا۔" واپس گھر پہنچے تو سب سے پہلے ایک مرد مسمی حبیب ساکنہ نجوڑہ کو اپنی بیعت میں داخل کر کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے سرفراز کیا اور اُس کا دل ایسا ذاکر ہوا کہ آپ بھی اُس کے ساتھ بے حِس حرکت گر پڑے پھر آپ کشمیر کے دورہ پر آگئے اور اپنے مرشد حضرت کیانویؒ کے پیر خانہ ماگم شریف پہنچے اور حضرت میر صدیق ماگیؒ کے مزار پر حاضری دی پھر مرشد کے دربار پر حاضری دینے کے بعد وطن لوٹ گئے اور وہاں سینکڑوں لوگ آپ کے ہاتھوں بیعت ہوئے۔

اسی دوران پھر مرشد کی زیارت کے لئے دربار کنیاں شریف تشریف لائے تو مرشد نے خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ "میں جانتا ہوں آپ کو مخلوق کی بھیڑ نے تنگ کیا ہے۔ اوپر سے فنافی الشیخ سے رنجور ہو۔ میں خود ان منازل سے گزر چکا ہوں۔ اب آپ کو ہجرت کر کے دوسرے مُلک جانا پڑے گا۔ تم اپنے وطن سے ہجرت کر کے کشمیر کے علاقہ میں جاؤ گے وہاں تمہیں فراخی عطا ہوگی کچھ عرصہ بعد آپ نے کشمیر کا رُخ کیا۔"[1]

---

[1] ملفوظات نظامیہ

باباجی صاحبؒ کی کشمیر میں تشریف آوری

۱۸۹۰ء کے موسم بہار میں حضرت باباجی صاحبؒ جب کشمیر تشریف لائے تو آپ نے اپنے ہم عصروں کے ساتھ مسجد لال خان میں رات کا قیام کیا کچھ دیر بعد ایک خوش شکل خوش مزاج نوجوان آیا اور نہایت ادب سے بولا کہ ''حضرت کھانا یہاں لاوں کہ گھر تشریف لائیں گے۔'' آپ نے حیرانگی کے ساتھ جواب دیا۔ ''کسی کے گھر ہمارا کیا کام ہم مسافر ہیں۔ ہو سکے تو کھانا یہاں لے آو۔'' چنانچہ وہ نوجوان فوراً لذیذ کھانے پروس کر لایا اور سب نے شکم سیر ہو کر تناول کیا۔ کھانے کے بعد وہ شخص صبح آنے کے لئے کہہ کر غائب ہو گیا اور پھر واپس نہ آیا۔

دوسرے دن آپ قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے اور گاندربل والا راستہ اختیار کیا پاندچھ سے آگے ناگ بل میں ایک مجذوب درویش چنار کی چھاوں سے نکل کر قافلے کی طرف بڑھا اور دہی کا بھرا ہوا کٹورہ باباجی صاحبؒ کو پیش کرتے ہوئے کہنے لگا'' آپ آو ہم چلے۔'' اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اولیا اللہ جس مقام پر جانا چاہتے ہیں۔ راستے میں کس قسم کا استقبال ہوتا ہے۔ یہ قافلہ وانگت کی تنگ گھاٹی میں داخل ہوا تو آپؒ وانگت کے اُس پار واقع کچھہاڑن میں پہنچے وہاں پہلے ہی سے کچھ ڈیرے موجود تھے جو علاقہ نجوڑہ بالاکوٹ کی طرف سے موسم بہار میں یہاں آئے تھے اور وطن میں وہ حضرت کے ہمسائے تھے اور کھٹانہ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ یہیں رُک گئے اور جس قبیلہ میں قیام کیا اُس کے بزرگ کا نام عبداللہ تھا دوپہر کے کھانے کے بعد کنک وا ہنی'' وانگت ندی'' کی طرف آئے اور ایک بڑے پتھر پر چڑھ کر سفید چادر بچھائی اور نماز ادا کرنے لگے۔ نماز کے بعد چادر اُٹھائی تو اُس پر نقش بنے تھے۔

جب وہ نقش کسی طرح نہ مٹے تو چادر کو تہہ کر کے رکھ لیا پھر علاقہ وانگت میں اپنا دورہ پورا کر کے وطن کی طرف لوٹے اور کنیاں شریف دربار پر حاضری دی پیرومرشد نے سفر کا حال پوچھا تو آپؒ نے تفصیل کے ساتھ ساری بات سُنائی اور وہ چادر بھی دکھائی۔ مرشد نے پوچھا ''جگہ کیسی ہے کیونکہ اب آپ کو وہیں آباد ہونا پڑے گا۔'' آپ نے عرض کیا ''حضرت وہاں جنگل ہی جنگل ہے[9]۔ لوگ ناواقف ہیں۔ زبان بھی دوسری ہے کیونکہ وہاں پشتو اور کشمیری بولی جاتی ہے کوئی جان پہچان نہیں۔'' یہ سن کر مرشد نے کہا کہ ''ہاں ہم تجھے وہاں ہی بھیج رہے ہیں۔ آپ جائیں گے تو جنگل میں منگل ہو جائے گا لوگ بھی واقفکار ہو جائیں گے۔ زبان بھی سمجھیں گے اور چادر پر یہ جو نقشے ابھرے ہیں۔ یہ سب تیری جاگیر ہیں۔ اور جس پتھر پر تو نے نماز پڑھی ہے۔ اُس کے سامنے تیری تُربت ہوگی یہاں تیرا لنگر ہوگا ملک کے کونے کونے سے لوگ آئیں گے اور وہاں کی خاک بادشاہ اپنے خزانوں میں تبرک کے طور پر رکھیں گے[10]۔''

---

[9] آج یہ تمام پیشن گوئیاں سچ ثابت ہوئی ہیں۔ اس گاؤں میں ہر طرف سے عقیدت مند آتے ہیں۔ یہاں حضرت باباجی صاحبؒ کا شاندار دربار قائم ہے۔ لنگر جاری ہے خوشحالی اور محبت سے سرشار یہاں کے لوگوں میں حضرت باباجی صاحبؒ کا احترام اور اُن سے عقیدت دیکھنے کو ملتی ہے۔ وانگت جنگل میں منگل ہو چکا ہے۔

[10] اُس کا نام نارہ ولی تھا۔ (حضرت میاں بشیر احمد)

اقبال عظیم چودھری۔ ایک گفتگو، میاں ارشاد، ایک گفتگو۔ باباجی صاحب نمبر گوجری صفحہ نمبر ۱۹۲ تحریر عبدالغنی عارف

ملفوظات شریف

۱۸۹۰ء میں سنجوڑہ سے باباجی صاحبؒ کی ہجرت[1]

دربار کٹیاں شریف میں اپنے مرشد حضرت پیر نظام الدین کیانویؒ کا حکم پانے کے بعد آپؒ سنجوڑہ تشریف لائے اور ہجرت کی تیاریاں شروع کیں سنجوڑہ بڑا خوبصورت علاقہ تھا جہاں پہالیاں، بھوگیو، بٹ کرڑیں اور نمانیاں جیسی ڈھوکیں تھیں جہاں آپ کا بچپن گزرا شفیق ماں نے اپنی محبت اور ممتا سے آپ کو پروان چڑھایا تھا۔ جہاں آپ نے کئی برس چلہ کشی کر کے روحانیت کا مرتبہ حاصل کیا تھا اور جہاں آپ کے اجداد کی قبریں اور زیارتیں تھیں ایسے وطن سے ہجرت کا خیال اگرچہ تکلیف دہ اور مشکل ترین مرحلہ تھا لیکن مُرشد کے حکم اور سنت نبویؐ کے مطابق یہ ہجرت آپ پر لازم ہو چکی تھی اس لئے آپؒ نے ہجرت کر کے وادی کشمیر کے پہاڑی سلسلوں میں واقع اُس مقام کو اپنا مسکن بنایا جس کی نشاندہی قدرتی طور سے چادر پر نقشے کی صورت میں اُبھر کر ہو چکی تھی اور مرشد کے اشاروں کے تحت فطرت کی آغوش میں واقع یہ مقام آپ کی زیارت کے لئے نہایت موزوں تھا آپ کے فیض کی ضرورت تھی دراصل دربار کٹیاں شریف سے آپ کو کشمیر کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کرنے کی دعوت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پہاڑی علاقوں میں مقیم لوگوں کی دینی اصلاح کی جائے انہیں اسلام کے اصولوں پر کاربند رہنے کی تلقین کی جائے شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دی جائے تو ہمات سے نکال کر راہ حق پہ چلایا جائے۔ یہ سارا سلسلہ روحانی اشاروں کے مطابق ہی تکمیل کو پہنچ رہا تھا۔ اور آنے والے دنوں میں کشمیر کے پہاڑی علاقہ وانگت میں ایک ایسی شمع روشن ہونے والی تھی جس کے نور سے نہ صرف ریاست جموں وکشمیر بلکہ برِصغیر کے لوگوں کو مستفید ہونا مقصود تھا۔[2] اس طرح حضرت قبلہ باباجی صاحبؒ نے رخت سفر باندھا تو اُس میں دوسری

[1] چودھری اقبال عظیم، [2] عبدالغنی عارف

چیزوں کے علاوہ مضبوط اور مصمم ارادہ تبلیغ کا جذبہ اور آباواجداد کی یادیں بھی شامل تھیں چونکہ آپ کا کوئی بھائی نہ تھا اور دونوں بہنوں کی شادی نجوڑہ میں ہی ہو چکی تھی۔ اُس وقت پہلی اہلیہ محترمہ بھی انتقال فرما چکی تھیں۔ جن کے بطن سے صاحبزادہ رُکنِ عالمؒ تھے جو اُس وقت چار برس کے تھے۔ اس مہاجر قافلہ میں ہجرت کے وقت نجوڑہ شریف سے آپ کے ساتھ چودہ افراد کا قافلہ چلا تھا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) حضرت میاں عبداللہ المعرف باباجی صاحبؒ (۲) میاں محمد رُکن عالم صاحبؒ (۳) دُلا باجی (۴) محمد حلیم بانیاں (۵) مُلاں میر احمد عرف مُلاں تایا (۶) دُل کاکا (۷) اور اُن کی والدہ (۸) مُلاں حبیب اُستاد اور اِن کے علاوہ چھ خواتین بھی تھیں۔

وانگت میں آمد:۔ چند دِنوں کی مسافت کے بعد یہ قافلہ وانگت آ گیا۔ آپؒ نے اس گاؤں کے محلہ لامن میں قیام فرمایا آپ کی دینی گفتگو اور جلال جمال کو دیکھ کر مقامی لوگ نہایت متاثر ہوئے پھر محمد امین بجاڑ عرف میایا کاکا آپؒ کو اپنے گھر لے گئے اور گھر کا ایک حصہ مہماں خاندان کے لئے وقف کر دیا اس گھر میں ولی اللہ کی آمد کے ساتھ ہی ساتھ عقیدت مندوں مریدوں اور مُرادیں مانگنے والوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور محمد امین بجاڑ کے گھر چہل پہل روحانی مجلسوں اور اسلامی تبلیغ کے لئے مشہور ہونے لگا۔

وانگت میں آمد کے بعد کچھ عرصہ تک نجوڑہ میں آنے جانے کا سلسلہ جاری رہا اور آخری بار آپ بیساکھ-۱۸۹۰ء میں نجوڑہ سے رخصت ہوئے تو سارے گاؤں نے آپ کو الوداع کہا چلنے سے پہلے آپ علاقے کے بزرگوں سے ملے اجداد کی قبروں اور زیارتوں پر حاضری دی اور پھر عقیدت مندوں نے شوہالاں کے مقام پر آپ کے خاندان کو بگھی پر بیٹھایا آپ کے لئے اگلی سیٹ مخصوص تھی لیکن آپ پچھلی سیٹ پر تشریف فرما ہوئے جب بگھی رواں ہوئی تو جہاں تک نجوڑہ کا گاؤں نظر آتا تھا دیکھتے رہے۔ جب گاؤں آنکھ سے اوجھل ہو گیا تو منہ ڈھانپ کر خاموش ہو گئے اور بڑی دیر تک کسی سے بات نہیں کی ساتھیوں میں سے کسی نے بگھی والے سے آہستہ چلنے کے لئے کہا تو آپؒ نے فرمایا" کہ وہ بات نہیں مجھے تو اپنا وطن چھوڑتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے پھلواڑی کی کانٹوں بھری جھاڑی سے کوئی چادر کو کھینچ رہا ہو۔ اور جس طرح کھنچتی ہوئی چادر تار تار ہو رہی ہو۔ نجوڑہ

سے بالاکوٹ کے راستے آپ مظفرآباد پہنچے پھر وادی نیلم اور ٹیٹوال سے گزر کر بانڈی پور سے ہوتے ہوئے وانگت آ گئے جہاں لامن میں محمد امین بجاڑ کے گھر قیام ہوا آپؒ نے پہلے دن سات افراد کو بیعت کیا جن میں میاں محمود اور دین محمد کسانہ بھی شامل تھے۔"

محمد امین بجاڑ نے حضرت باباجی صاحب کو اگرچہ نہایت عزت واحترام اور عقیدت کے ساتھ رکھا تھا لیکن آپ کی نظریں اُس مقام کی تلاش میں تھیں۔ جہاں دربار شریف قائم ہونا تھا اور لنگر شریف جاری کرنا مقصود تھا اسی دوران وانگت کٹھی کے ایک بزرگ محمد سلطان کھٹانہ صاحب آپؒ سے ملاقی ہوئے۔ اور اتنا متاثر ہوئے کہ مرید بھی ہو گئے اور آپؒ کے ہاتھ پر بیعت بھی ہوئے۔

اُس وقت موجود دربار والا مقام جنگل ہی جنگل تھا اور بیچ میں نہایت ہی خوبصورت سبزہ زار ہوا کرتا تھا۔ اس مقام کا نام "ہری دجی" تھا ہری دجی کا سارا علاقہ محمد سلطان کھٹانہ کے تصرف میں تھا۔ یہاں اُس کے مویشیوں کی بہک ہوا کرتی تھی چنانچہ کھٹانہ نے باباجی صاحبؒ کے حضور پیش ہو کر ہری دجی کی ساری بہک اور ملحقہ علاقہ باباجی صاحبؒ کو لنگر کے لیے دے دیا اگرچہ لامن کے باشندوں نے بہت کوشش کی کہ لامن میں ہی سکونت اختیار کریں لیکن حضرت باباجی صاحبؒ کو ریاضت عبادت اور لنگر جاری رکھنے کے لئے زیادہ رقبے کی ضرورت تھی اس لئے حضرت نے ۱۸۹۲ء میں ہری دجی کو اپنا مقام بنانے کے لئے منتخب کر لیا۔

وانگت میں قیام کے دوران آپؒ کا دربار کنیاں شریف آنے جانے کا سلسلہ جاری تھا ایک بار جب آپؒ مرشد کے دربار پر پہنچے تو حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ نے آپ کو کہا "اندر چلے جاو اور آرام کرو۔" آپؒ حویلی میں داخل ہوئے تو مائی صاحبہ نے آپ کو کمرے میں بلا لیا اور کھانے کے لئے حلوہ پیش کیا ابھی آدھا ہی حلوہ تناول فرمایا تھا کہ "حضرت کیانویؒ بھی تشریف لے آئے۔" آپ اُن کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے مرشد کے روبرو ہوتے ہی آپ کے اندر رقص پیدا ہوا اور بے ہوش ہو گئے۔ بے ہوشی کے عالم میں آپ نے محسوس کیا کہ آپ دو سال کی عمر کے شیر خوار بچے ہیں اور مائی صاحبہ اپنے پستان مبارک سے آپ کو شیر پلا رہی ہیں۔ بے ہوشی کے عالم

میں ہی مائی صاحبہ نے آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ "یہ لڑکا میرا حقیقی فرزند ہے۔ اس نے میرے پستانوں سے نورِ معرفت کا شیر پیا ہے۔"

ہری دجی میں سکونت:۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۲ء تک آپؒ نے اس بیابان علاقے کو قابل کاشت بنانے کے لیے خود جاں توڑ مشقت کی بٹ کرڑ کے چھتنار درختوں اور جھاڑیوں سے علاقے کو صاف کیا زمینوں کو ہموار کر کے کھیتوں میں تبدیل کیا، ہل چلائے، فصل اُگائی اور اپنی محنت سے کمائی ہوئی فصل کو لنگر میں استعمال کیا جانے لگا۔ پھر موجودہ بڑی مسجد کے قریب دو چھتا مکان تعمیر کیا جسے (لڑی) کہا جاتا تھا۔ اور ساتھ ہی ایک مسجد شریف بھی بنائی جب ہردجی کا علاقہ ہر طرح سے آباد ہو گیا اور رہائشی مکان تعمیر ہو گئے تو باباجی صاحبؒ ۱۸۹۲ء میں لامن سے ہردجی میں منتقل ہو گئے۔ اور یہاں لنگر جاری کر دیا اور خود عبادت و ریاضت میں محو ہو گئے۔

ؔ ہری دجی کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ وانگت میں کنک واہنی کے اُس پار حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانیؒ کی بیٹھک ہے اور یہاں مشہور راہبہ روپادیوی بھی چلہ کرنے کے لئے آیا کرتی تھیں ایک بار روپادیوی حضرت شیخ العالمؒ کے ساتھ چل رہیں تھیں۔ اور بار بار وانگت کے اس مقام کو دیکھ رہی تھیں جہاں آج باباجی صاحبؒ کی زیارت شریف ہے۔ حضرت شیخ العالمؒ نے روپادیوی سے وجہ پوچھی تو اُس نے جواب دیا یہ ہری دجی ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا جو ہری کا ہے۔ یعنی اللہ کا ہے اسی نسبت سے اس جگہ کا نام ہری دجی پڑا جو آگے چل کر ہری دجی ہو گیا یہ درست ہے۔ ہندو راہبہ روپادیوی علاقہ لار میں قیام کرتی تھیں علاقہ وانگت میں اکثر ریاضت کے لئے آیا کرتی تھیں۔ لیکن جب ہم ان واقعات کو تاریخ کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت شیخ العالمؒ کا دور ۱۳۳۳ء تا ۱۳۷۷ء تھا جب کہ روپادیوی کا دور ۱۶۲۱ء تا ۱۷۲۱ء تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت شیخ العالمؒ کے ساتھ روپادیوی نہیں بلکہ للہ عارفہ تھیں۔ جنہوں نے اس مقام کو ہری دجی کا نام دیا۔

حضرت میاں نظام الدین لاروی ؒ کی ولادت

لامن سے ہری دجی میں منتقل ہونے کے کچھ عرصہ بعد ماہ مارچ ۱۸۹۲ء میں صبح حضرت میاں نظام الدینؒ کی ولادت ہوئی تو سارے قبیلے میں خوشیاں منائی گئیں۔ حضرت باباجی صاحبؒ نے بچے کے کانوں میں اذان دی عبداللطیف نام سے سرفراز کیا اور پیار ومحبت بھرے ماحول میں آپ کی پرورش ہونے لگی۔ جب صاحبزادہ عبداللطیف کی عمر دوسال کی تھی تو ۱۸۹۴ء میں بڑے فرزندِ اکبر میاں رُکن عالمؒ آٹھ سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ اپنے لختِ جگر کی بے وقت موت نے حضرتؒ کو نہایت رنجیدہ کیا۔

باباجی صاحبؒ کی دربار کنیاں شریف میں حاضری

۱۸۹۴ء میں حضرت باباجی صاحبؒ اپنے مرشد کی زیارت کے لئے دربار کنیاں شریف تشریف لائے اور حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے خیریت دریافت کی تو حضرت باباجی صاحبؒ نے بتایا کہ میرے بڑے صاحبزادے کا آٹھ سال کی عمر میں وصال ہوگیا ہے۔ حضرت کیانویؒ نے تعزیت کی پھر پوچھا کہ اور بھی کوئی فرزند ہے۔ حضرت باباجی صاحبؒ نے عرض کیا کہ "ایک بیٹا اور ہے اور اب یہ میرا ایک بیٹا ہے اور ہمارے خاندان میں ایک سے زیادہ بیٹا زندہ نہیں رہتا۔" یہ سن کر حضرت نظام الدین کیانویؒ نے فرمایا کہ "اگرچہ اللہ کی مرضی کے آگے کسی کا بس نہیں لیکن ہم دُعا تو کر سکتے ہیں۔" پھر آپؒ نے صاحبزادہ کے حق میں دُعا فرمائی اور دُعا کے بعد موصوف سے بیٹے کے نام کے بارے میں دریافت کیا۔ باباجی صاحبؒ نے عرض کیا "اس

کا نام عبدالطیف رکھا ہے'' پھر حضرت نظام الدین کیانویؒ نے کہا کہ ''میرا نام نظام الدین ہے۔ میں اپنا نام اس بچے کو دیتا ہوں۔ آج سے اس کا نام عبدالطیف نہیں بلکہ میاں نظام الدین ہوگا۔'' پھر آپ فرمانے لگے ''میں نے ساری عمر'' اَللّٰہ اَللّٰہ '' کر کے گزاری ہے۔ اور آپ نے اپنی عمر تعویز لکھتے اور عبادت گزاری کرتے ہوئے گزاری ہے۔'' اس طرح دربار پیر و مُرشد ایک بار پھر موصوف پر شفقت فرمائی ضروری وظائف اور ہدایات سے نوازہ پھر وانگت کے لئے واپس روانہ کیا۔ اس دور میں آپ کی روحانی عظمت کے ڈنکے ریاست جموں وکشمیر کے تمام پہاڑی علاقوں یعنی پونچھ راجوری، ڈوڈہ۔ میر پور، اور مظفر آباد میں بج رہے تھے اور ہر روز دُور دُور سے سینکڑوں لوگ وانگت آ کر آپ سے فیض حاصل کر رہے تھے۔

ایک دفعہ دربار کنیاں شریف میں مجلس جاری تھی خواجہ نظام الدین کیانویؒ تبلیغ فرما رہے تھے۔ مرید بے خود ہو رہے تھے۔ اسی دوران موصوف جلال میں آگئے اور روحانیت کی رو میں بہتے چلے گئے اُس وقت باباجی صاحبؒ بھی اُن کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر حضرت کیانویؒ نے باباجی صاحبؒ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ ''میں آج کا بوڑھا نہیں ہوں میں بہت پرانہ بوڑھا ہوں جنگ بدر میں میری ڈیوٹی لگی تھی میں ماشکی تھا اور زخمیوں کے لئے پانی لاتا اور اُن کی پیاس بجھاتا تھا جنگ احد میں زخمی افراد کی پٹیاں کرتا تھا۔ اور زخموں پر مرہم لگایا کرتا تھا جس کو جنید بغدادی کہتے ہیں۔ وہ بھی میں ہی تھا میرے کئی روپ ہیں۔'' حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ کی اس روحانی کیفیت کو باباجی صاحبؒ نے ایک سی حرفی میں اس طرح بیان فرمایا[1]۔

ظ: - ظاہر اک دن آپ بولے اسیں ساریاں رمزاں جاندے آں
سائے عرش تے جائے کے آپ اسیں اکھیں دیکھ کے خبراں آندے آں
ظاہر جگہ اساڈڑی وچ کنیاں اصلی رہن والے بسطام دے آں
عبد ظاہر ظہور ساہڈڑا اج ہویا پیدا اسیں تے اُس زمان دے آں

[1] حضرت میاں نظام الدین لاروی نمبر صفحہ ۴۹ تحریر پروفیسر پریم سنگھ...... اقبال مقیم، میاں ارشاد احمد............ ایک گفتگو

مرشد سے آخری ملاقات[1]: ۔ اسی دوران میں حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ سے آپ کی آخری ملاقات دربار کنیاں شریف میں ہوئی اُسوقت آپؒ باہر سے آرہے تھے باباجی صاحبؒ کو دیکھ کر فرمایا ''برخرداراس قدردیرکیوں لگائی'' پھر بغل گیر ہوئے اپنے ساتھ اندر لے گئے اپنے پاس بیٹھا کر نصیحت فرمانے لگے........''جس قدر آپ کے پیر بھائی جس منزل میں ہیں وہ سب آپ کے حوالے ہیں۔ جہاں تک ہوسکے اُن کی پرورش فرماتے رہنا اِس میں لاپروائی نہ کرنا اولاد میں جو بڑا دانا اور ہوشیار ہو تمام فرائض اُسی پر عاید ہوتے ہیں۔ تاکہ شفقت پدری کی کمی محسوس نہ کریں یا کسی خام منزل میں پھنس کر نہ رہ جائیں۔ اور ہر وقت اُنہیں وصیت کرتے رہنا کہ وہ دنیائے فانی کی طرف متوجہ نہ ہوں اے برخوردار میاں عبداللہ شاید میری تیرے ساتھ یہ آخری ملاقات ہو۔ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ''ہمیشہ شریعت محمدی ﷺ کا پابند رہنا اور خلق اللہ کو راہ ہدایت کی تعلیم دیتے رہنا ہر کسی سے نہایت نرمی خوش اخلاقی اور حلیمی سے پیش آنا[2]۔''

حضرت باباجی صاحبؒ کا دربار کنیاں شریف لے جانا

۱۸۹۶ء میں اچانک ایک دن کئی سے کچھ آدمی آئے اور بتایا کہ'' حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ ۲۶ رجیٹھ ۱۹۵۳ء بکری بمطابق ۱۸۹۶ء کو وصال فرماگئے ہیں۔''اس خبر سے آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور چھ ماہ تک غم الم میں ڈوبے رہے پھر دربار کنیاں شریف گئے اور بطور روحانی مراقبہ اپنے مرشد سے ملاقات کی پھر مائی صاحبہ سے ملنے حویلی میں آئے دُعا سلام کے بعد سرنگوں بیٹھ گئے۔ اور خواجہ عالم کے صدمہ وگریہ زاری میں مشغول رہے[3]۔

تین روز تک دربار پر قیام کیا پھر مائی صاحبہ سے رخصت چاہی وقتِ رخصت مائی صاحبہ نے تیرہ روٹیاں اپنے

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد۔ [2] چودھری اقبال عظیم [3] عبدالغنی عارف

ہاتھ سے پکا کر راستے کے لئے دیں اور ارشاد فرمایا ''اے فرزند جب حضور کی زندگی میں تم آیا کرتے تھے تو خواجہ عالم اپنے ہاتھ سے تمہیں کھانا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اب خواجہ عالم پردہ میں چلے گئے ہیں تو یہ فرض میں نبھا رہی ہوں راستے میں حاجت ہو تو کھا لینا'' خواجہ عالم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''برخوردار میاں عبداللہ کو میری طرف سے کہہ دینا کہ جو وصیت فرمائی ہے اُس پر پابند رہنا۔''[۵۱]

---

۵۱ کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ کی مجلس میں آپؒ کے فرزند اکبر میاں طاسین صاحبؒ، باباجی صاحبؒ اور مولوی محمد قاسم صاحبؒ کو مری (موہڑا شریف) تشریف فرما تھے۔ باباجی صاحب کیانویؒ نے بڑی شفقت اور مہربانی کے ساتھ اپنے وصال کے بعد عرس کے بارے میں جو تاریخ مقرر فرمائی وہ اس طرح تھی۔ اپنے فرزند اکبر اور جانشین میاں طاسین صاحبؒ سے فرمایا۔ ''آپ میرا عرس ۲۵/۲۶ ہاڑ کو منائیں۔'' باباجی صاحبؒ سے فرمایا ''میاں عبداللہ آپ میرا عرس ۲۵/۲۶ جیٹھ بمطابق ۷ رجون کو منائیں۔'' مولوی قاسم صاحبؒ سے فرمایا'' آپ میرا عرس ۱۵ ر منگھر کو منائیں۔'' ان تینوں خلفاء کے علاوہ ایک اور خلیفہ تھے۔ اُن سے فرمایا'' آپ میرا عرس مئی کے مہینے میں منایا کریں۔'' لیکن باباجی صاحبؒ لاروی کو جو تاریخ عرس منانے کے بارے میں فرمائی وہی آپؒ کی تاریخ وصال ہے۔ حضرت کیانویؒ کا وصال ۲۵/۲۶ جیٹھ کو ہوا اور دوانگت باباگری میں آپؒ کے حکم کے مطابق ہر سال یہ عرس ۲۵/۲۶ جیٹھ کو ہی منایا جاتا ہے۔

حضرت باباجی صاحبؒ کے نام کے ساتھ لفظ لارویؒ کا منسلک ہونا

نالہ سندھ سونمرگ کنگن اور گاندربل سے ہوتے ہوئے آنچار جھیل میں مل جاتا ہے۔اس ندی کے داہنے کنارے پر لار کا قصبہ آباد ہے جسے لارک نام کے ایک راجہ نے آباد کیا اور لارک پور نام رکھا۔جو بعد میں لار ہو گیا مغلیہ دور میں وادی کشمیر کو جب پرگنوں میں تقسیم کیا گیا تو گاندربل سے سونمرگ تک نالہ سندھ کے اُس پار ایک وحدت قرار پائی جسے پرگنہ لار کا نام دیا گیا اس طرح یہ سارا علاقہ (لار) نام سے مشہور ہو گیا۔[1]

جب باباجی صاحبؒ وانگت تشریف لائے تو عوام میں باباجی صاحب لارویؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ سے فیض حاصل کرنے کے لئے جب ریاست کے کونے کونے سے عوام کی آمد شروع ہوئی تو علاقہ پونچھ راجوری، میرپور، جموں، بھدرواہ، ڈوڈہ، کشتواڑ، مظفرآباد، اُوڑی، کرناہ ضلع ہزارہ کے علاقہ بالاکوٹ اور وادی کاغان سے ہفتہ ہفتہ پیدل چل کر آنے والوں سے جب کوئی پوچھتا کہ ''آپ کہاں جارہے ہیں۔'' تو وہ جواب دیتے کہ ''ہم لاروالے باباجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دینے وانگت جارہے ہیں۔'' اس طرح حضرت باباجی صاحبؒ کی وجہ سے علاقہ لار اور پرگنہ لار بھی مشہور ہوتا چلا گیا اور اس علاقے کو روحانی سلسلے میں نیا تشخص عطا ہوا اور آپؒ باباجی صاحب لارویؒ کے نام سے مشہور ہوتے چلے گئے۔[2]

---

[1] باباجی صاحب پہاڑی نمبر صفحہ ۱۵-۱۶ تحریر محمد سعید مسعودی

[2] بعد میں اُن کے صاحبزادے حضرت میاں نظام الدین بھی لاروی کہلائے اور اب حضرت میاں بشیر احمد صاحب بھی اپنے نام کے ساتھ لفظ لاروی لکھتے ہیں۔

خطۂ کشمیر میں بابا جی صاحبؒ کی مقبولیت

اس دوران آپ کا روحانی اقبال بلند ہوتا چلا گیا[۲۲]۔ دُور دُور سے لوگ مرادیں مانگنے کے لئے آتے حضرت جی صاحبؒ اُن کے حق میں دُعا کرتے اور عقیدت مندوں کی جھولیاں مرادوں سے بھر جاتیں آپ کا نام کشمیر میں آباد ہر طبقہ سے وابستہ لوگوں میں جانا جاتا تھا اور آپ کی روحانیت کی شہرت عام ہوتی گئی۔ اسی دوران آپ نے چلّہ کشی کا سلسلہ بھی جاری رکھا اپنی خاص مسجد میں بیٹھ کر تنہائی اور خلوت میں عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے اور لنگر کو جاری رکھا۔ اس لنگر کی روٹی کھا کر کئی گونگوں کو زبان ملی کئی اپاہج ٹھیک ہوئے اور کئی جزام میں مبتلا لوگوں نے شفا پائی۔

علاقہ پونچھ راجوری میں بابا جی صاحبؒ کی شہرت

۱۸۹۰ء تا ۱۹۰۱ء میں وانگت سکونت اختیار کرنے کے بعد دس برس تک آپ نے یہیں سے ہی رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ارادتمندوں کو بیعت فرما کر راہ حق پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کے ساتھ شب وروز عبادت میں مصروف رہے۔

دور دور سے پیدل سفر کر کے اور پیر پنجال کے پہاڑی راستوں سے گزر کر لوگ لار شریف پہنچتے تھے۔ اور آپ کا دیدار پا کر فیضان حاصل کرتے تھے۔ گجر بکروال اور پہاڑی طبقوں کے لوگوں کی بڑی تعداد علاقہ راجوری اور پونچھ سے مال مویشیوں کے ساتھ کشمیر کی چراگاہوں کی طرف جایا کرتی تھی۔ یہ لوگ بھی لار شریف آتے تھے۔ آپ کی روحانی خوشنودگی حاصل کرتے نذر نیاز پیش کرتے مرادیں مانگتے اور فیض پاتے تھے اس طرح آپ کا رشتہ علاقہ راجوری اور پونچھ میں آنے سے پہلے ہی قائم ہو چکا تھا۔

---

[۲۲] اس مقام ہردجی کے بارے میں ایک دفعہ حضرت صادق شاہ قلندرؒ نے فرمایا تھا کہ "مجھے یہاں کی ہوا بہت پسند ہے میں یہاں قیام کرتا لیکن یہ مقام پہلے ہی کسی اور کا ہو چکا ہے۔" اس طرح ہردجی کا مقام آگے چل کر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا بہت بڑا مرکز بنا۔

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے لکھے قرآن شریف کی تلاش[1]

۱۹۰۱ء میں موصوف کو غائبانہ طور سے اشارے ملے کہ علاقہ پونچھ کے حکمران وزیر روح اللہ خان سانگو کی نسل سے کسی شخص کے پاس شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف کا نسخہ موجود ہے اور ایک طاقچے میں رکھا ہے۔ اُسے حاصل کر کے نادر قلمی نسخوں کے خزانے میں شامل کیا جائے روحانی اشارہ ملنے کے بعد موصوف نے پونچھ آنے کا فیصلہ کرلیا۔

۱۹۰۱ء میں ماہ مئی کے دن تھے۔ جب موصوف تین آدمیوں کی ہمراہی میں وانگت سے سیاہ فام گھوڑے پر سوار ہو کر براستہ اُوڑی حاجی پیر، چھانجل، کہوٹہ اور دیگوار پونچھ پہنچے اور اسلامیہ سکول پونچھ کے قریب مسجد بنجاراں میں قیام ہوا۔

اُسی شام مقامی تاجر برادران جمال الدین اور جلال الدین سے ملاقات ہوئی وہ آپ کی شیریں بیانی روحانی باتوں اور چہرے کے نور اور جلال سے بہت متاثر ہوئے اور ہر طرح سے عزت احترام کے ساتھ پیش آئے اور بیعت ہوئے۔ دوسرے دن بابا جی صاحبؒ نے پونچھ میں آمد کا مدعا بتایا اور فرمایا کہ ''میں قرآن پاک کے قلمی نسخہ کے لئے یہاں آیا ہوں جو روح اللہ خان کی نسل سے کسی آدمی کے پاس ہے۔''

جمال الدین اور جلال الدین نے کہا کہ ''وزیر روح اللہ خان کی نسل سے اس وقت محمد خان سانگو ہے وہ موضع کھنیتر میں مقیم ہے۔ ہمارا اُس کے ساتھ لین دین ہے۔ اگر اُس کے پاس نسخہ ہے تو مل جائے گا۔'' انہوں نے محمد خان سانگو کو پونچھ بلا لیا۔ پھر بابا جی صاحبؒ بنجارہ برادران کے ساتھ خود کھنیتر تشریف لے گئے تا کہ قرآن شریف کا وہ نسخہ حاصل کیا جائے جو شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا۔

[1] حضرت میاں بشیر احمد

[1] جب وہ محمد خان سانگو کے گھر پہنچے تو اُس نے بڑی خدمت کی پھر جلال الدین بنجارہ نے موصوف کا منشا ظاہر کیا اور کہا کہ "وہ قرآن شریف کا یہ نسخہ بابا جی صاحبؒ کے حوالے کرے۔" کہتے ہیں کہ اُس وقت محمد خان سانگو[3] کے پاس قرآن شریف کی دو جلدیں تھیں ایک نسخہ مصر کے بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ جبکہ دوسرا نسخہ شنشہاہ اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا تھا۔ جب بنجارہ برادران نے اُس کو بابا جی صاحبؒ کا منشا بتایا تو پہلے اُس نے صاف صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے پونچھ کے وزیر اعظم میاں نظام الدین نے بھی اس قرآن شریف کے لئے مار پیٹ کی اور دباؤ ڈالا تھا چونکہ میرے پاس ایسی کوئی کتاب نہ تھی اس لئے میں اُسے بھی نہ دے پایا پھر وہ موصوف کو دیکھ کر پگھل گیا۔

آپ کے جلال کی تاب نہ لا سکا اور کہا کہ میرے پاس قرآن شریف ہے اور میں لا کر دیتا ہوں پھر وہ اپنے گھر کے اندر گیا اور طاقچے سے قرآن شریف کا نسخہ لایا اور حضرت بابا جی صاحبؒ کو پیش کیا لیکن یہ قرآن شریف اورنگ زیب والا نہیں بلکہ مصر کے شنشہاہ کے ہاتھ کا لکھا تھا۔[2]

---

[3] روح اللہ خان سانگو پونچھ ریاست کا پہلا گجر حکمران ہوا ہے۔ جس نے ۱۷۹۱ء میں پونچھ کے راٹھور راجہ خان بہادر خان کے سرینگر میں قتل کے بعد پونچھ کے تحت پر قبضہ کیا روح اللہ خان نے اپنے بیٹے امیر خان کو پونچھ کا راجہ بنا دیا اور خود وزارت کا عہدہ سنبھالا ۱۸۱۵ء میں راجہ امیر خان سکھ لاہور دربار کی فوجوں کے ساتھ ایک لڑائی میں مارا گیا اور اُس کا بیٹا راجہ میر یار خان پونچھ کا راجہ بنا۔

۱۸۱۹ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں نے کشمیر پر قبضہ کیا تو ایک لڑائی میں روح اللہ خان مارا گیا اور اُس کا پوتا میر باز خان خالصہ دربار لاہور کا ہمنوا بن گیا اور پونچھ کا راجہ بنا رہا لیکن ۱۸۲۳ء میں میر باز خان کو گرفتار کر کے لاہور جیل میں ڈال دیا گیا اور پونچھ پر لاہور دربار کا سیدھا قبضہ ہو گیا۔ میر باز خان کو لاہور جیل میں ہی پربخش جپ نے قتل کر دیا پھر میر باز کا بیٹا ابراہیم خان اور اُس کا بیٹا محمد خان سانگو ہوا قیاس کیا جاتا ہے کہ محمد خان سانگو کے پاس قرآن شریف تھا جسے حاصل کرنے کے لئے موصوف کشمیر سے آئے تھے۔

اُس کے پاس قرآن شریف کی دو جلد موجود تھی موضع ہاڑی مڑہوٹ کے چودھری محمد شریف اور سانگہ کے ماسٹر بدر دین جنھوں نے یہ واقع راقم کو سنایا سانگو خاندان کے اس شخص کا نام میرداد خان بتایا۔ لیکن سانگو خاندان میں میرداد نام کا کوئی شخص موجود نہ تھا اگرچہ آخری گوجر راجہ کا نام میرداد تھا جو میرداد سے ملتا جلتا ہے لیکن میرداد کا قتل ۱۸۳۷ء میں لاہور میں ہو چکا تھا۔

جبکہ بابا جی صاحبؒ ۱۹۰۱ء میں پونچھ آئے اس لئے سنہ تاریخ اور شجرہ کے حساب سے اُس وقت سانگو خاندان میں محمد خان سانگو تھا جو باحیات ہو سکتا ہے اور میر باز خان کا پوتا تھا۔

[1] میاں بشیر احمد............ [2] حاجی محمد شریف پونچھ

شاہِ مصر کے لکھے ہوئے قرآن شریف کی حصول یابی

باباجی صاحبؒ نے قرآن شریف کے اس نسخے کو لے کر آنکھوں سے لگایا بوسہ دیا اور عمران شاہؒ کو فرمایا ''آپ کے پاس جتنے پیسے ہیں محمد خان سانگو کو ہدیہ کے طور پر دے دیں۔'' اُنھوں نے تین سو روپیہ نکال کر سامنے رکھا تو محمد خان سانگو نے یہ روپیہ نہیں اُٹھایا۔ باباجی صاحبؒ نے جلال الدین بنجارہ کی طرف رخ کر کے پوچھا ''یہ آدمی روپے کیوں نہیں اُٹھا رہا۔'' جلال الدین نے عرض کیا کہ ''حضرت میرا تین سو روپیہ اس کی طرف قرض ہے۔ اسے ڈر ہے کہ میں اِس سے یہ روپے وصول کرلوں گا میں چونکہ آپ کے دست پاک پر بیعت ہوا ہوں اور آپ میرے پیرو مرشد ہیں۔ اس لئے میں یہ قرض محمد خان سانگو کو معاف کرتا ہوں۔'' یہ سن کر محمد خان سانگو نے روپے اُٹھا لیے پھر موصوف نے قرآن پاک کے نسخے کو سنبھالا اور جلال الدین بنجارہ سے بلند آواز میں کہا کہ لوگ پیسے ہاتھوں سے گنیں گے اور تو ترازو سے تولے گا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں جلال الدین بنجارہ اتنا امیر ہوا کہ اُسے اپنی دولت کا حساب کتاب لگانے کی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ پھر جلال الدین نے دست بستہ عرض کی کہ ''اولاد نہیں ہے۔'' آپ نے فرمایا ''بیٹا ہوگا اور نام مہتاب الدین رکھنا۔'' محمد خان سانگو نے باباجی صاحبؒ سے عرض کیا کہ مجھے بیعت کریں اور میرے حق میں دُعا کریں کہ میں فریضہ حج ادا کرسکوں آپ نے محمد خان کے لئے بھی دُعا کی پھر وہاں سے رخصت ہو کر واپس پونچھ آئے پونچھ میں کچھ دن قیام کے بعد موصوف نے براستہ درہ پیر پنجال کشمیر جانے کا فیصلہ کیا اور سرنکوٹ کا رخ کیا۔

علاقہ سرنکوٹ کے حالات:۔ ۱۹۰۱ء کے آس پاس علاقہ سرنکوٹ میں تین خاندان بڑے متقول تھے لسانہ میں چودھری غلام حسین لسانوی بڑے پُرخلوص، ملنسار اور مدبر مانے جاتے تھے۔ سرنکوٹ میں سردار غلام حسین جسے سردار سموٹیہ بھی کہتے تھے علاقے کے ذیلدار تھے جبکہ علاقہ ہاڑی مڑہوٹ میں چودھری بلند خان ہزاروں کنال اراضی کے مالک اور رئیس تھے چودھری غلام حسین لسانوی اور چودھری بلند خان کا علاقہ کی معروف برگزیدہ اور

آسودہ حال شخصیات میں شمار ہوتا تھا۔ اور پونچھ کے راجہ بلدیو سنگھ (۱۸۹۲ تا ۱۹۱۸) کے دربار میں آپ حضرات کے لئے نشستیں مخصوص تھیں دونوں حضرات پڑھے لکھے تھے اور گجر قوم کی اقتصادی پسماندگی اور ناخواندگی سے فکر مند تھے اور ایسے مسیحا کی تلاش میں تھے جو اس قوم کے غریب اور دبے کچلے لوگوں کی دینی اور دنیاوی رہبری کر سکے۔ علاقہ سرنکوٹ میں اُن دنوں گھر گھر باباجی صاحبؒ کی شہرت تھی آپ کی کرامات کے تذکرے ہو رہے تھے۔ چودھری بلند خان اکثر چودھری لسانوی صاحب سے کہا کرتے تھے کہ "لار شریف میں وادی کاغان سے ایک بزرگ ولی آ کر قیام پذیر ہوئے ہیں جو کشمیر کے عوام کو اپنے فیض اور برکتوں سے سرفراز کر رہے ہیں۔ اور گجر قوم کی شیرازہ بندی و دینی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی لار شریف چل کر فیض حاصل کرنا چاہئے۔"

جی صاحبؒ لسانہ میں:- آپ اپنے ہم سفروں سمیت سُرن کوٹ کی سمت روانہ ہوئے۔ گھوڑے پر سوار ڈُری ڈھکی پہنچے تو ستانے کی خاطر رکے۔ وہاں ہندو شاہوکاروں کی دکانیں تھیں آپ کو دیکھ کر رام سُرن نام کا دکاندار آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پانی اور دودھ پیش کیا۔ وہ آپؒ کے جلال و جمال اور پروقار چال ڈھال سے بے حد متاثر ہوا۔ اسی اثنا میں چودھری غلام حسین وہاں پہنچے رام سُرن نے حضرت کا ذکر کیا اور انکشاف کیا کہ "ایک ولی اللہ یہاں سے گزرے ہیں۔ آپؒ کی رفتار اور گفتار نے دل پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ نام دریافت کرنے پر مختصراً فرمایا۔ ہمیں "جی صاحب" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔"

سُنتے ہی چودھری صاحب جان گئے کہ یہ جی صاحبؒ لار والے ہیں۔ بیقراری میں تعاقب کیا اس دوران آپ نگری کے مقام پر پہنچ کر رک گئے تھے۔ چودھری صاحب نے سلام عرض کیا آپؒ نے بڑے تپاک سے وعلیکم اسلام کہتے ہوئے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ چودھری صاحب نے عرض کیا "حضور آپ تھوڑی دیر یہاں رکیں گے۔" جواباً فرمایا "جی ہاں یہیں نماز ظہر ادا کریں گے۔" چودھری صاحب نے جرأت سے کام لیکر عرض کیا تو میں اپنے ماموں کو حاضری کیلئے بلا لاؤں آپؒ نے اثبات میں سر ہلایا[1]۔

[1] اقبال عظیم چودھری

چودھری غلام حسین لسانوی کے ماموں چودھری بلند خان بڑے جلالی شخص تھے۔ بابا جی صاحبؒ کا نام سنتے ہی دوڑ پڑے۔ چودھری غلام حسین صاحب نے آپؒ کو گھر آنے کی دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمائی اور لسانہ میں قیام فرمایا۔

لسانہ میں کرامت کا ظہور :۔ اُس وقت چودھری غلام حسین لسانوی کی تائی صاحبہ سخت علیل تھیں اُن کی زبان بند ہو چکی تھی اور بچنے کی امید نہ تھی لیکن جوں ہی بابا جی صاحبؒ نے لسانوی صاحب کے گھر قدم رکھا وہ خاتون بول پڑیں، اُٹھ کر چلنے لگیں، اور پھر سے کھانا پینا شروع کر دیا اور اللہ اللہ پکارتے ہوئے سارے گھر میں گھومنے لگیں یہ دیکھ کر چودھری غلام حسین لسانوی اور چودھری بلند خان دھنگ رہ گئے اُسی رات اُنھوں نے بیعت ہونے کی التجا کی چنانچہ لسانوی صاحب کے گھر اُس رات سات افراد بابا جی صاحبؒ کے ہاتھوں بیعت ہوئے یہ نامی گرامی افراد (۱) چودھری بلند خان (۲) چودھری باغ حسین (۳) چودھری فیض محمد (۴) چودھری بہادر علی (۵) چودھری غلام حسین لسانوی (۶) چودھری فیروزالدین (۷) چودھری محمد حسین۔ اس موقع پر چودھری بلند خان نے التماس کی کہ "حضرت ہم اہل پونچھ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کی بدُعا کا شکار ہو چکے ہیں۔ چونکہ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کی پونچھ کے راجہ سے ناچاکی ہو گئی تھی ۔ اور وہ ناراض ہو کر ریاست پونچھ سے راجوری شاہدرہ میں چلے گئے تھے۔ لیکن اُن کے جانے کے بعد یہاں کے عوام کو سخت نقصانات اُٹھانے پڑے ہر سال ہماری مکی کی فصل ہواوں کے تند ریلوں سے ٹوٹ کر تباہ ہو جاتی ہے۔ ژالہ باری سے شالی برباد ہو جاتی ہے۔ مویشی دودھ کم دینے لگے ہیں۔ گھروں سے برکتیں اُٹھ گئی ہیں خاندانوں میں خوشیوں کی جگہ بیماری نے لے لی ہے۔ حکومت کی سختیوں بگار نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ اور شاہکاروں اور سود خوروں نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔ یہ تمام مسائل موصوف کی بدُعا کا ہی نتیجہ ہے۔ اس لیے جب تک کوئی کامل ولی علاقہ پونچھ کے عوام کی طرف سے حضرت سید غلام شاہ بادشاہؒ تک روحانی رُسائی حاصل کر کے معافی نہیں مانگ کر دئیں گے۔ ہم عتاب کا نشانہ بنے رہیں گے۔" یہ سن کر آپ نے چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا اور پھر فرمایا کہ "اس بار مجھے ضروری واپس جانا ہے۔ مگر میرا وعدہ ہے۔ کہ

جب میں پھر واپس آوں گا شاہدرہ شریف بھی حاضری دوں گا اور آپ لوگوں کے حق میں دُعا کروں گا مجھے امید ہے کہ حضرت سید غلام شاہ بادشاہؒ اہل پونچھ کو معاف فرمادیں گے۔'' یہ واقعہ ۱۹۰۱ء کا ہے

علاقہ سرن پر باباجی صاحبؒ کی نوازش

باباجی صاحبؒ ۱۹۰۱ء پونچھ تشریف لائے تھے اور تقریباً ایک ماہ کے دورہ کے بعد محمد خان سانگو سے قرآن شریف کا نسخہ لے کر براستہ پیر گلی واپس لار شریف گئے تھے۔ اسی سال ستمبر کے مہینے میں زبردست بارشیں ہوئیں اور ژالہ باری سے فصلیں برباد ہوگئیں۔ اور کسانوں کی سال بھر کی کمائی رائیگاں چلی گئی۔ ان حالات میں چودھری بلند خان نے دو آدمی لار بابا نگری بھیجے اور ایک لمبی چٹھی لکھ کر فریاد کی کہ'' اس بار بھی سب کچھ تباہ ہوگیا اور علاقہ پونچھ کے عوام کو حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کی ناراضگی سے معافی نہ ملی۔''

چٹھی پڑھنے کے بعد باباجی صاحبؒ مسجد میں آئے اور فرمایا ''اندر کوئی نہ آئے۔'' نمازِ فجر کے وقت لانگری کو بلایا اور فرمانے لگے ''چودھری بلند خان نے جو دو آدمی رات بھیجے تھے اِن کو میرے پاس بلاو۔'' جب وہ آدمی آئے تو اِن سے فرمایا کہ'' میں بھی انشاللہ ماہ دسمبر میں حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور معافی کے لئے دُعا کروں گا۔''

باباجی صاحبؒ کی شاہدرہ شریف میں حاضری[1]

نومبر ۱۹۰۱ء میں چودھری بلند خان کا پیغام ملنے کے بعد حضرت باباجی صاحبؒ کچھ دنوں تک یادالٰہی میں محو رہے پھر شاہدرہ شریف آنے کی تیاری ہوئی یہ سفر براستہ شوپیاں، دُبجن، درہ پیر پنجال، بہرام گلہ رتن پیر اور تھنہ سے ہوتے ہوئے طے ہوا۔ موصوف کا گھوڑوں پر سوار قافلہ جب بہرام گلہ پہنچا تو علاقہ سرنکوٹ اور پونچھ کے سینکڑوں عقیدت مند استقبال کے لئے حاضر تھے۔ یہاں سے آپ کو پالکی میں بیٹھا کر تھنہ کی طرف لے جایا گیا

[1] حضرت میاں بشیر احمد

اور ہمرکاب عقیدت مند راستے بھر کلمہ شریف کا ورد کرتے رہے۔ تھنہ سے آپ شاہدرہ شریف کی طرف مڑے اُس وقت اس کاروان میں علاقہ راجوری کے بھی سینکڑوں مرید شامل ہو چکے تھے۔ ہزاروں کے اس قافلے میں آپ کے خلیفہ اوّل حاجی نوران شاہ صاحبؒ اور فرزندِ ارجمند میاں نظام الدینؒ بھی شامل تھے۔ جب یہ قافلہ شاہدرہ شریف کی طرف سے آنے والی چھوٹی ندی کے قریب پہنچا تو احتراماً پالکی سے اُتر گئے اور آگے کی مسافت پیدل طے کرنے لگے۔ کچھ دور آگے جانے کے بعد جہاں بھنگائی کی طرف سے آنے والا نالہ شاہدرہ شریف ندی میں ملتا ہے وہاں باباجی صاحبؒ ایک پتھر پر چڑھ کر کھڑے ہو گئے اور ساتھ آنے والے سینکڑوں عقیدت مندوں سے فرمایا کہ ''اس سے آگے میرے ساتھ کوئی نہیں آئے گا اور میری واپسی تک سب لوگ علاقہ بھنگائی کی طرف چلے جائیں۔''

حضرت سید نوران شاہ صاحبؒ اور میاں نظام الدینؒ وہیں انتظار کرنے لگے جبکہ آپ شاہدرہ نالہ کے ساتھ ساتھ درگاہ شاہدرہ شریف کی طرف بڑھ گئے۔ دیر تک جب موصوف واپس نہ آئے تو سید نوران شاہ صاحبؒ نے سوچا کہ نالے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہیں باباجی صاحبؒ کا پاؤں نہ پھسل گیا ہو میاں نظام الدین صاحبؒ سمیت آگے بڑھے اور پہاڑ کی دوسری طرف پہنچے تو اُنھوں نے شاہدرہ شریف سے تھوڑا نیچے ایک بڑے پتھر پر باباجی صاحبؒ اور ایک دوسرے شخص کو دیکھا ابھی تھوڑی دوری پر ہی تھے کہ دوسرا شخص غائب ہو چکا تھا۔ اور باباجی صاحبؒ خفا ہو کر فرمانے لگے اُس خاص موقع پر آپ نے کیوں مداخلت کی آپ کے آنے کی وجہ سے میری اور بابا غلام شاہ بادشاہ صاحبؒ کی ملاقات ادھوری رہ گئی جو مجھ سے ملنے کے لئے یہاں تشریف لائے تھے حاجی نوران شاہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ ''ہم نے سوچا بہت دیر ہو گئی ہے اور پیدل چلتے ہوئے کہیں آپ کو کوئی چوٹ نہ آئی ہو۔'' باباجی صاحبؒ نے جواب دیا کہ ''میں نے بابا غلام شاہ بادشاہؒ سے پونچھ کے عوام کو معافی دینے کی التماس کی جو آپؒ نے قبول فرمائی ہے اور میری مسکینی پر رحم کھا کر اُنھوں نے پونچھ کے عوام کو معاف کر دیا ہے'' فرمایا ہے ''کہ علاقہ پونچھ میں جا کر معافی کا اعلان کر دو۔''

پیر سید عمران شاہ کاظمی ابن سید جمال شاہ پھمروٹ والے

اب باقی کے عقیدت مند بھی آ گئے راجوری کے لوگ حضرت کو راجوری کی طرف لے جانا چاہتے تھے جبکہ پونچھ کے عوام آپ کو پونچھ لانا چاہتے تھے۔ باباجی صاحبؒ نے پھر ایک پتھر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ مجھے حکم ہے کہ میں اسی وقت پونچھ کی حد میں جاوں اور معافی کا اعلان کروں یہ سُنتے ہی علاقہ سرنکوٹ پونچھ کے عقیدتمندوں نے آپ کو پالکی میں بیٹھایا اور براستہ ڈھیرہ گلی بفلیاز آئے یہاں لال خان گکھڑ کے گھر کے قریب والی مسجد میں آپ نے نماز ادا کی اور پھر پیر عمران شاہ کو فرمایا کہ ''مسجد سے باآواز بلند اعلان کریں کہ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ نے علاقہ پونچھ کے عوام کو معاف کر دیا ہے[1]۔ اب یہ علاقہ سدا بہار اور سرنکوٹ کی وادی گل وگلزار رہے گی۔'' آپ کی دُعا کے باعث علاقہ سرنکوٹ اور پونچھ میں آفات سماوی میں کمی آئی مویشیوں کے دودھ میں اضافہ ہوا۔ ریوڑ بڑھنے لگے بارش وقت پر ہونے لگیں گھروں میں برکت لوٹ آئی خاندانوں کی آپسی رنجشوں کا سدباب ہوا اور عوام امن چین اور سکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔

از قلم سید محبوب شاہ کاظمی 13/3/2014 D.

(نوٹ) پیر سید عمران شاہ کاظمی ولد سید جمال شاہ پھمروٹ لوہی پونچھی تھے یہ 35 سال حضرت عبد اللہؒ لاروی کے ساتھ رہے اور خلیفہ مجاز تھے۔ ان کا روضہ علی پور سیداں برموجی ضلع کوٹلی میں ہے۔ 66 سال کے بعد 2013 میں ان کی پہلی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا ہے۔ یہ سید مہر علی شاہ برموجی اور ریئس شاہ صاحبان کے والد تھے۔ یہ سید محمد علی شاہ اور محمد قاسم شاہ کے دادا تھے۔ سید عمران شاہؒ صاحب سید محبوب شاہ کاظمی لڑولازم برموجی والوں کے پھوپھا تھے۔ یہ سردار فیروز خان آف تھکیالہ اور دوسرے سرداروں کی درخواست پر میاں نظام الدینؒ لاروی کے ہمراہ علاقہ تھکیالہ ... پیر عبد اللہؒ لاروی

[1] جس وقت باباجی صاحبؒ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کے مزار پر حاضری دینے کی غرض سے گئے تھے اُس وقت حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کو اسی (۸۰) برس گزر چکے تھے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائے ہوئے۔

باباجی صاحبؒ کا دورہ راجوری

حضرت باباجی صاحبؒ ۱۹۰۱ء میں شاہدرہ شریف تشریف لائے اور پونچھ کے عوام کو حضرت غلام شاہ بادشاہ سے روحانی طور معافی دلوائی۔ اصرار کے باوجود راجوری علاقے میں نہ گئے تھے اور شاہدرہ سے ہی واپس لار شریف چلے گئے تھے۔

غالباً ۱۹۰۲ء میں دوسری بار جب باباجی صاحبؒ پونچھ تشریف لائے تو راجوری بھی گئے اور ارادتمندوں کے اصرار پر بدھل تک کا سفر کیا۔ اُس وقت ہاڑی کے چودھری بلند خان اور لاہ کے حاجی نوارن شاہ صاحبؒ آپ کے ہمرکاب تھے۔ یہ سفر درہال پروڑی پنج ناڑہ کنڈی۔ بکوری اور بدھل وکیول گاؤں تک رہا جہاں بلند خان کے رشتے دار تھے۔ ہر مقام پر لوگوں کو دیدار اور تبلیغ سے نوازا بُرائیوں سے باز رہنے کی تلقین کی صراط المستقیم پر گامزن رہنے کی ہدایت دی لوگوں کو بیعت کر کے سلسلہ کیساتھ جوڑا درہال میں لوگوں کا ایک وفد حضور کے روبرو پیش ہوا اور کہا کہ ''ہم لوگ غربت کے باعث فاقے کر رہے ہیں۔ اور آپ اتنے بڑے ولی ہیں اس لیے دُعا کریں کہ ہمارے علاقے سے غریبی اور بھکمری کا خاتمہ ہو جائے۔'' موصوف نے دُعا فرمائی کہ ''درہال میرا مصر ہے۔ جس طرح مصر آسودہ حال ہے اُسی طرح درہال کے لوگ بھی آسودہ ہونگے۔'' (روایت ہے کہ اس دورے کے بعد درہال کے لوگوں پر اچھے دن آ گئے غریبی وبھکمری کا سدباب ہو گیا۔ آج بھی درہال کے لوگ اپنے علاقہ کو چھوٹا (مصر ہی کہتے ہیں۔) درہال سے آپ کا قافلہ بدھل کی طرف روانہ ہوا لیکن پہاڑی راستے میں آپ کے گھوڑے کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ اُس وقت چودھری بلند خان نے عرض کیا کہ ''آپ میرے گھوڑے پر سفر کریں آپ اُس گھوڑے پر سوار ہوئے اور چودھری بلند خان کو فرمایا'' آپ میرے گھوڑے پر آ جائیں۔'' مگر بلند خان صاحب نے جواب دیا کہ ''مجھ میں اتنی طاقت اور جرأت نہیں کہ آپ کے گھوڑے پر سواری کر سکوں۔ میں تو اب اس گھوڑے پر بھی سواری نہیں کروں گا جس پر آپ سوار ہوئے ہیں[1]۔''

[1] حضرت میاں بشیر احمد

۱۹۰۲ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ سے لکھے قرآن شریف کا حصول

کھنیتر پونچھ وزیر روح اللہ خان سانگو کا آبائی گاوں تھا جہاں کئی عمارتوں کے کھنڈرات موجود تھے۔ یہاں سے ہی عروج حاصل کر کے روح اللہ سانگو پہلے راٹھور راجاوں کا وزیر بنا اور پھر ۱۷۹۸ء میں پونچھ کے تخت پر قبضہ کر کے اپنے بیٹے میر باز سانگو کو پونچھ کا راجہ بنا دیا اسی دوران اُس نے پونچھ کے شاہی گھرانے سے قرآن شریف کے دو نسخے یعنی ایک شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا اور دوسرا مصر کے شہنشاہ کا لکھا برآمد کیے یہ نسخے ۱۸۱۹ء تک پونچھ شہر میں ہی رہے جب ۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے فتح کشمیر کے وقت پونچھ کی گجر حکومت پر راج کیا ؟ اور پھر ۱۸۲۳ء میں آخری گجر راجہ میر باز کو گرفتار کر لیا تو اس خاندان کے باقی افراد نے پونچھ کو چھوڑ کر اپنے آبائی گاوں کھنیتر اور وادی سُرن کا رُخ کیا قرآن پاک کے یہ نسخے کھنیتر میں وزیر روح اللہ کے آبائی گھر میں منتقل کیے گئے۔ اور پھر تقریباً ۸۰ برسوں تک یہ نسخے سانگو خاندان کی تحویل میں رہے۔

پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں جب باباجی صاحبؒ ان نسخوں کی تلاش میں پہلی بار پونچھ تشریف لائے اور محمد خان سانگو سے ملاقی ہوئے تو اُس شخص نے موصوف کی روحانیت اور بزرگی سے متاثر ہو کر شاہِ مصر کا لکھا ہوا قلمی قرآن شریف تو دے دیا مگر شنشہاہ اورنگ زیب کے ہاتھ سے لکھا نسخہ نہ دیا۔ اور دوسرے نسخے کے لئے موصوف سے ۳۰۰- روپے ہدیہ کے طور پر بھی قبول کر لیے اور ساتھ ہی صاحب موصوف سے التجا کی کہ میرے حق میں دُعا کریں کہ میں حج کے لئے جا سکوں آپ نے اُس کے حق میں دُعا کی کچھ عرصہ کے بعد وہ حج پر روانہ ہو گیا دوران حج اُسے خواب آئی کہ اُس نے قرآن شریف کے نسخے کو طاق میں بند کر کے کیوں رکھا ہوا ہے۔ وہ باباجی صاحب لاروی ؒ کی امانت ہے اس لئے حج سے واپس جاتے ہی اس نسخے کو وانگت شریف دربار میں پہنچا دینا کہ دنیا اس سے فیضیاب ہو سکے اس طرح کے خواب بار بار آنے کی وجہ سے محمد خان سانگو بہت ڈرا اور ۱۹۰۲ء میں حج بیعت اللہ سے واپس آنے کے بعد وہ گھر گیا۔ احترام کے ساتھ طاق سے قرآن شریف کے نسخے کو باہر نکالا اور کشمیر ''لار'' کی طرف بڑھا محمد خان سانگو براستہ کہوٹہ، حاجی پیری اوڑی کشمیر میں داخل ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ

موصوف کو اس پاک نسخے کی آمد کی خبر غائبانہ طور پر ہو چکی تھی۔ جس کے استقبال کے لئے وہ اوڑی آئے تھے۔ چنانچہ محمد خان سانگو اوڑی میں ہی آپ سے ملا اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا اور معافی مانگی پھر شہنشاہ اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف کا نسخہ پیش کیا[1]۔

باباجی صاحب کی ہاڑی مڑہوٹ میں تشریف آوری

چونکہ حضرت باباجی صاحبؒ کی علاقہ پونچھ راجوری میں آمد ایک معمول بن چکی تھی اور لوگ عقیدت و احترام کے ساتھ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے لئے بیقرار رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء کی موسم بہار میں جب موصوف پونچھ آئے تو ہاڑی مرہوٹ کے لوگ آپ کو پالکی میں بیٹھا کر اپنے علاقے میں لے گئے کچھ دن مرہوٹ میں رہے پھر ہاڑی میں چودھری بلند خان ذیلدار کے گھر آ گئے۔

یہاں کئی دنوں تک عقیدت مندوں کو بیعت کرنے کا سلسلہ جاری رہا لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور آپ کی بابرکت آمد سے عوام میں خوشحالی اور آسودگی آنے لگی پھر دیگر عوام نے بھی آپ کو یہاں قیام کرنے کے لئے زور دیا چنانچہ آپ نے فرمایا "مجھے میرے مرشد نے ہری دجی (بابانگری) عطا کی ہے۔ میں اُن کے حکم کے بغیر وہاں سے ہل نہیں سکتا البتہ اگر وہ اجازت دیں گے تو اس علاقے میں بھی کچھ دنوں کے لئے رہائش رہے گی۔"

پھر پونچھ سے ہی موصوف نے چٹھی دے کر دو قاصد کنیاں شریف روانہ کیے جن میں موصوف نے علاقہ پونچھ میں رہنے کے لئے اجازت طلب کی[2]۔

---

[1] قرآن شریف کا یہ نسخہ آج بھی زیارت لار شریف کی چھوٹی مسجد میں دیگر تبرکات کے ساتھ زینت افروز ہے۔
[2] تاریخ پونچھ محمد دین فوق، پونچھ تاریخ و ثقافت کے آئینے میں، کے۔ ڈی۔ حنی

سرنکوٹ میں لنگر کے لئے زمین کا حصول

اوپر ذکر کر ہو چکا ہے کہ جب سرنکوٹ میں عقید تمندوں نے رہائش قائم کرنے اور لنگر کے لیے زمین دینے کیلئے کہا تو باباجی صاحبؒ نے دربار کنّیاں شریف میں قاصد بھیج کر اجازت طلب کی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد دربار کنّیاں شریف کے سجادہ نشین سے اجازت حاصل ہو گئی تا کہ اہلیان پونچھ راجوری بھی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے روشناس ہوں اور علاقے میں اسلام کی تبلیغ میں آسانی رہے۔ نزدیکی رابطے ہوں اور عقیدت مندوں کو حضرت باباجی صاحبؒ سے فیض حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں میل پیدل چل کر لار شریف نہ جانا پڑے اس لئے ۱۹۰۵ء میں جب موصوف علاقہ پونچھ میں تشریف لائے تو لسانہ میں چودھری غلام حسین لسانویؒ کے گھر ایک بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں علاقے کے تمام ذیلدار برگذیدہ شخصیات نمبرداروں اور عام لوگوں نے شمولیت کی۔ اس مجلس میں باباجی صاحبؒ کی روحانیت اور معرفت بھری گفتگو کے بعد چودھری بلند خان علاقہ (ہاڑی) اور چودھری غلام حسین لسانوی نے پھر سے باباجی صاحبؒ سے عرض کیا کہ "وہ لنگر کے لئے حسب ضرورت زمین قبول کریں اور اس علاقے میں بھی رہائش رکھیں تا کہ علاقہ پونچھ راجوری کے ارادتمندوں کو رسائی حاصل کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔" دوسرے لوگوں نے بھی زوردار اصرار کیا کہ "آپ لنگر کے لئے زمین قبول کریں"۔[1]

اس بار چونکہ موصوف اپنے مرشد سے اجازت حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ نے چودھری بلند خان کی استدعا قبول کی اُس روز چودھری بلند خان نے موضع موہڑا بچھائی میں تقریباً ۲۰۰ کنال زمین نذر کی اور چودھری

[1] حاجی محمد شریف

کے رشتے داروں نے پیر جموں شہیدؒ کے دمن میں واقع بڑی بہک اور لُوناوالی میں تقریباً ۳۰۰ کنال اراضی پیش کی چونکہ اُس وقت بندوبست ہو چکا تھا۔ اس لئے ان زمینوں کا لنگر کے نام ہبہ لکھ کر دیا گیا۔ کچھ مدت بعد ہاڑی کے چودھری فیض محمد نے موصوف سے استدعا کی کہ ان زمینوں کا محکمہ مال میں اندراج کرا کر تخمینا لگوایا جائے۔ تاکہ بعد میں کوئی پریشانی نہ آئے چنانچہ موصوف، چودھری غلام حسین لسانوی سردار غلام حسین سمہوٹیہ اور تحصلیدار گلزار خان کے ہمراہ ان زمینوں میں تشریف لائے اور باقاعدہ پیمائش ہوئی چودھری بلند خان اور اُن کے کنبے نے لکھ کر اس زمین سے دست برداری اختیار کی اور ان کا انتقال لنگر شریف کے نام ہوا۔ ڈھوک کی زمین بھی لکھ کر دی گئی۔ چودھری غلام حسین لسانوی نے لسانہ اور سنیبی بیلہ میں واقع زمینوں کا ایک حصہ بھی لکھ دیا ان حالات میں بابا جی صاحبؒ نے موضع موہڑہ پچھائی میں سردیوں کے ایام میں قیام کے لئے گھر بنایا، حجرہ تعمیر کرایا، مسجد شریف بنوائی اور موضع ہاڑی میں بھی ایک مکان بنوایا پھر ۱۹۰۵ء سے 1915ء عیسوی تک آپ کی پونچھ راجوری میں تشریف آوری اور موہڑہ میں کچھ عرصہ قیام کا سلسلہ جاری رہا آپ کو اس علاقہ میں اپنی پسند اور مزاج کے صوفی شعرا کا ساتھ بھی ملا جس کے باعث اس پہاڑی علاقے میں پنجابی ادب اور تخلیق کو بہت فروغ حاصل ہوا۔[15]

15؎ موہڑہ میں قیام کا سلسلہ بابا جی صاحبؒ کے بعد اُن کے فرزندِ ارجمند حضرت میاں نظام الدینؒ نے بھی جاری رکھا۔ ہاڑی میں زمین چونکہ دور تھی اور صرف ۵۰ کنال اراضی ہی قابل کاشت تھی جبکہ باقی کا حصہ کاپ تھا اس لئے وہاں موصوف قیام نہ کرتے تھے اور اُس زمین پر بنے ہوئے مکان میں لنگر کے مویشی اور کاشتکار رہتے تھے۔ بعد میں یہ اراضی حاجی محمد شریف اور اُس کے رشتے داروں کے تصرف میں چلی گئی۔ جبکہ موہڑہ میں اس وقت بھی آٹھ کنال اراضی لنگر کے نام پر ہے اور باقی کی زمین حاجی بھاپی نام کے شخص کے تصرف میں آ گئی۔ سنیبی بیلہ والی زمین بھی قبضہ میں نہ رہ سکی۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ سے ناراضگی[1]

مہاراجہ پرتاب سنگھ نے ۱۸۹۲ء سے ۱۹۲۵ء تک جموں وکشمیر پر حکومت کی اُن کی حکومت کے ابتدائی دور میں باباجی صاحبؒ وانگت آئے اور یہاں سکونت اختیار کی اِسی دوران ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ وادی کشمیر کے دورہ پر تشریف لائے اور سرینگر پہنچے تو ہزاروں عقیدت مندوں نے اُن کا استقبال کیا یہ بات کشمیر کے سرکاری کارندوں کو ناگوار گزری کچھ اہلکاروں اور ایک وزیر نے مہاراجہ کے کان بھرے کہ افغانی جاسوس آئے ہیں اس لئے حضرت کو نظر بند کر دیا گیا۔ چونکہ حضرت میاں نظام الدین کیانویؒ کے مرید اور عقیدت مند ساری وادی اور جموں علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے اس لئے آپ کی نظر بندی کے باعث ہر طرف ہل چل مچ گئی۔ جب مہاراجہ پرتاب سنگھ کو بتایا گیا کہ ''حضرت کیانویؒ افغانستان سے نہیں بلکہ ریاست کے ہی ایک علاقے دربار کٹیاں شریف مظفر آباد سے آئے ہیں۔ اور مانے ہوئے ولی ہیں۔'' تو مہاراجہ نے حضرت نظام الدین کیانویؒ سے ملاقات کی کھڑے ہو کر استقبال کیا اپنے کئے پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا پھر عزت احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ ابھی حضرت نظام الدین کیانویؒ گھر نہ پہنچے تھے کہ مہاراجہ نے اُس وزیر کو معزول کر دیا جس نے حضرت کے بارے میں غلط بیانی کی تھی۔ پھر مہاراجہ پرتاب سنگھ خود کٹیاں شریف گئے وہاں تیراں دنوں تک قیام کیا اور دربار کے ساتھ شالیمار باغ کی طرز کا ایک باغ بنوایا۔ اگرچہ بعد میں مہاراجہ نے حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا لیکن سرینگر میں اُن کی نظر بندی کا باباجی صاحب لارویؒ کو سخت رنج اور ملال تھا۔ آپ کی مہاراجہ سے رنجش کی ایک اور وجہ بھی تھی اُس زمانے میں ریاست جموں وکشمیر کے باشندے شخصی حکومت کے کارندوں کی چکی میں پس رہے تھے۔ بگار عروج پر تھی کسانوں سے زمین کا ۳/۴ حصہ لگان اور مالیہ میں وصول کر لیا جاتا تھا۔ ہوا

[1] اقبال عظیم چودھری

اور پانی کے علاوہ ہر شے پر ٹیکس عاید تھا چونکہ آپ کے عقیدت مندوں میں گجر اور پہاڑی طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اکثریت تھی اور یہی وہ طبقے تھے جو زیادہ متاثر تھے یعنی ایک طرف شخصی راج کی غلامی پھر مقامی جاگیرداروں اور ذیلداروں کا شکنجا پھر خوجوں اور شاہوکاروں کی سوددرسود جکڑ بندی اس ماحول میں ان لوگوں کی اپنی کوئی زندگی نہ تھی، اپنی کوئی طاقت نہ تھی جس کے بل بوتے پہ لوگ مسائل کا سامنا کر سکتے اور ان مسائل کی جڑ وہ شخصی حکومت تھی جس کی باگ دوڑ ریاستی کارندوں کے ہاتھ میں تھی اور جس کا نظام نابرابری اور ناانصافی کے اصولوں پر ٹکا ہوا تھا۔ اس وجہ سے بھی آپ ؒ کو شخصی حکمران سے نفرت تھی پھر وہ سودخور اور رشوت خور لوگوں کے گھر نہ ٹھہرتے تھے۔ انہیں ان لوگوں سے سخت نفرت تھی آپ ؒ وزرا و امراء سے دور رہتے تھے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی کوئی اولاد نہ تھی اولاد حاصل کرنے کے لئے وہ اُس وقت کئی صاحب کرامت کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ایک بار وہ میرپور کھڑی شریف میں ۱۹۰۷ء کے آس پاس حضرت میاں محمد صاحب ؒ کے ہاں حاضر ہوئے تو انھوں نے مہاراجہ سے فرمایا کہ "آپ کے آنے کے باعث میرے عقیدت مندوں کی آمدورفت میں خلل پڑا ہے اس لئے دوبارہ یہاں نہ آئیں اور اپنی مراد کشمیر کے مشہور ولی حضرت بابا جی صاحب ؒ کے سامنے رکھیں۔"

۱۹۱۰ء کے آس پاس مہاراجہ پرتاب سنگھ نے بابا جی صاحب ؒ سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا اس دور میں بابا جی صاحب ؒ کی روحانی شہرت ریاست کے پہاڑوں، دریاؤں اور وادیوں کو عبور کر کے کونے کونے اور گھر گھر میں پھیل چکی تھی آپ کی بزرگی عظمت اور کرامتوں کے چرچے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے شاہی ایوانوں اور درباروں میں ہو رہے تھے مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے پہلے لنگر کے لئے وظیفہ دینے کی پیش کش کی مگر موصوف نے قبول نہ کی۔ اس لئے مہاراجہ چاہتے تھے کہ آپ سے ملاقات کر کے اُن سے مراد مانگی جائے پھر لار شریف میں حضرت سے ملاقات کا وقت مانگا گیا تو آپ ؒ نے اپنی مصروفیات کی دلیل دے کر اس ملاقات کو ٹال دیا مہاراجہ کا آپ سے ملنے کا تجسس بڑھتا چلا گیا۔

انہی دنوں بابا جی صاحب ؒ سرینگر تشریف لائے اور اپنے خاص عقیدتمند سید غلام محی الدین نقشبندی کے ہاں

قیام کیا۔ آغا حسین کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے۔ مہاراجہ کی ہدایت تھی کہ جب بھی باباجی صاحبؒ سرینگر تشریف لائیں اُن کی آپ سے ملاقات کرائی جائے۔ نقشبندی صاحب اور آغا حسین نے بڑے رازدارانہ طور پر اس ملاقات کا منصوبہ بنالیا اور مہاراجہ کو آگاہ کردیا۔[1]

نقشبندی صاحب اور آغا حسین نے باباجیصاحبؒ کو شبانہ جھیل ڈل کی سیر کے لئے آمادہ کرلیا وقت اور مقام کا تعین ہوگیا۔ چونکہ باباجی صاحبؒ کو پھولوں سے بڑی رغبت تھی۔ اس لئے مہاراجہ کے حکم سے وہ جھیل کو دُور دُور تک پھولوں سے سجادیا گیا۔ کشتی میں سوار باباجیصاحبؒ کو اس ملاقات کا مجہول سا احساس ہوگیا تھا۔ آپ نے اپنے ہمسفروں سے فرمایا ''مجھے پھولوں سے بڑی محبت تھی لیکن آج یہ مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہیں جانے کیا بات ہے۔''

دوسری جانب سے مہاراجہ کی شاہی کشتی جائے ملاقات کی جانب بڑھ رہی تھی۔ کبوتر خانہ کے قریب دونوں کشتیاں ہم کنار ہوگئیں۔ تو مہاراجہ اپنی کشتی میں آپؒ کے استقبال کیلئے آگے بڑھا ملاقات ہوئی۔ گفتگو ہوئی اور مہاراجہ نے سیم وزر کے سکوں سے بھرپور تھال آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؒ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ مہاراجہ کے بے حد اصرار پر آپ نے ہاتھ بڑھا کر چاندی کے چند سکے اٹھائے اور یہ فرماتے ہوئے ''کہ ہم چونکہ آپ کی رعیت ہیں اسلئے یہ شاہی خزانہ میں ہماری جانب سے قبول کریں۔'' پھر مہاراجہ نے لنگر کے اخراجات کے لئے جاگیر کی پیش کی۔ جو آپؒ نے یہ فرما کر نامنظور کردی کہ مہاراجہ! لنگر جاگیروں سے نہیں چلتا خُدا کے حکم سے چلتا ہے۔ اس لئے جب تک رب کی رضا ہوگی یہ لنگر جاری رہے گا۔[2]

---

[1] اقبال عظیم چودھری........ [2] میاں ارشاد احمد

باباجی صاحبؒ کا تخلیقی سفر[1]

ریاست جموں وکشمیر میں خاص طور سے وادی کشمیر کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس سرزمین کو پیروں، فقیروں اولیاں، درویشوں اور ریشیوں نے عبادت اور ریاضت کے لئے منتخب کر کے مسکن بنایا اور پھر دین دنیا کی بھلائی کے لئے کوشاں رہے۔ اور عوام کو روحانیت معرفت اور دین اسلام کے اصولوں سے واقف کرانے میں معاون ثابت ہوئے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں سیداں کسروان راولپنڈی علاقہ سے حضرت غلام شاہ بادشاہؒ نے کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں روحانیت کے چشمے رواں کئے۔ اُن کے بعد کھڑی شریف میر پور میں حضرت پیر دمڑی والے اور حضرت میاں محمد بخشؒ نے اسلامی تصوف کو آگے بڑھایا اور پھر انیسویں صدی عیسوی میں حضرت باباجی صاحبؒ ہزارہ کے علاقہ بالاکوٹ نجوڑہ سے وانگت کشمیر تشریف لائے اور وادی کشمیر میں روحانی اور دینی سلسلے کو آگے بڑھایا حضرت باباجی صاحبؒ بچپن کے زمانہ میں خلوت نشینی اور عبادت کو پسند کرتے تھے خلوت نشینی دراصل اپنے آپ میں مستقل عبادت ہے جب اس عبادت میں ذکر اللہ بھی شامل ہوجائے تو انسان نور نور ہوجاتا ہے اور عبادت ریاضت ذکر اور فکر سے علم کے اعلیٰ مقام حاصل ہوجاتے ہیں۔ جسے عام طور پر علم لدنی کہا جاتا ہے علم لدنی دراصل عبادت اور ریاضت کا پھل ہے اور یہ علم سیکھنے کے بغیر حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ باباجی صاحبؒ کو دین اور شرع کے معاملات پر دسترس حاصل تھی کہ اُنھوں نے اسلام اور تصوف کے امتزاج سے اپنی تخلیقات کو اتنا پراثر بنایا کہ اُن کی تخلیقات اور کلام عوام کے سینوں میں اُترتا چلا گیا[2]۔

[1] چودھری اقبال عظیم[2] پروفیسر سیوا سنگھ

تخلیقی دور ۱۹۰۷ء تا ۱۹۲۶ء :- حضرت بابا جی صاحبؒ نے جس دور میں اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا اُس زمانے میں ریاست جموں وکشمیر کے پہاڑی علاقے وہزارہ، راولپنڈی اور علاقہ جہلم میں پنجابی صوفی شاعری کا رواج تھا جس کے ذریعے صوفی حضرات اپنے روحانی خیالات کو بڑے سہل میٹھے رس دار اور عام فہم پنجابی زبان میں عوام تک پہنچاتے تھے جن کی اکثریت ناخواندہ ہوتی تھی لوگ دلوں میں اترنے والے تصوف اور معرفت سے لبریز اس کلام کو منہ زبانی یاد کر لیتے تھے اور پھر سینہ بہ سینہ اور قریہ قریہ اس کلام کو آگے بڑھاتے تھے اس طرح ایک طرف قلبی سکون ملتا تو دوسری جانب دین اسلام سے محبت پیدا ہوتی تھی۔

آپ سے پہلے حضرت میاں محمد بخش حضرت بابا بلّھے شاہؒ اور سلطان باہوؒ تصوف اور معرفت پر بہت کچھ لکھ چکے تھے اور بیشتر تحریریں صوفیانہ کلام کے زمرے میں آتی ہیں۔

آپؒ کے کلام کا منفرد اسلوب

بابا جی صاحبؒ بھی اُس دور کی صوفیانہ تخلیقات سے متاثر ہوئے مگر اُنھوں نے اپنا رنگ الگ بنایا اپنے راستے کا الگ تعین کیا۔ ایسی صوفی شاعری کی بنیاد رکھی جو انسان کی ذات اور ذات پاک کے درمیان رشتوں کو استوار کرتی ہے۔ اور اُس حقیقی محبوب سے وصل کا ذریعہ بنتی ہے جو ازل میں تھا اور ابد تک قائم رہے گا۔ اس لئے آپ نے قصے کہانیوں کے بجائے سی حرفیاں لکھیں جو انسان کے روحانی جذبوں اور عشق حقیقی کی وارداتوں کی رمزوں اشاروں اور کہانیوں کے ذریعے تخلیق کا وسیلہ بنتی ہیں۔

چونکہ مسلک کے لحاظ سے بابا جی صاحبؒ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے تابع شریعت کے اصولوں کے پابند تھے اور قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کے قائل تھے اس لئے تصوف کی دنیا میں آپ کا روحانی عشق اسلامی تصوف کے دائرہ کے اندر تھا۔ موصوف تصوف اسلام کے عالم تھے اور اُن صنفوں کو اظہار کا ذریعہ بناتے تھے جو اسلامی روایات اور اقدار کے اندر سما سکتی تھیں۔ چونکہ جن لوگوں کو آپ مخاطب کرنا چاہتے تھے اُن کی اکثریت پڑھی

لکھی نہ تھی اس لئے آپ نے روحانی شاعری کو بھی تبلیغ کا ذریعہ بنایا اتنی خوبصورت شیریں اور دلوں میں اترنے والی سی حرفیاں لکھیں کہ پُر معنی شعر عوام کے دلوں میں اُترتے چلے گئے۔ بابا جی صاحبؒ کی سی حرفیوں میں استعمال رموز اشارے اور الفاظ ہماری روز مرہ کی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں۔

اگرچہ تصوف کی مکمل تعریف ممکن نہیں لیکن تھوڑے الفاظ میں اسے عشق حقیقی کا نام دیا جاسکتا ہے عشق جو دلوں سے محبت کے چشمے رواں کرتا ہے اور صوفی کی نظر میں دنیا میں محبت جیسا کوئی جذبہ نہیں ہے کہتے ہیں کہ جس نے شہد نہ چکھا ہو وہ شہد اور موم میں فرق نہیں کرسکتا اور جس نے ذات پاک سے محبت نہ کی وہ مومن اور کافر کے درمیان فرق نہیں کرسکتا۔ جب تک ذات پاک کے ساتھ محبت نہیں ہوتی ایمان تازہ نہیں ہوسکتا انسان کے اندر اضطراب اور تذبذب موجزن رہتا ہے۔ محبت وہ چشمہ ہے جو انسان کے اندر کو دُور دُور تک سیراب کرتا ہے۔ لیکن محبت سچائی کی تلاش کے لے حقیقت تک رسائی کے لئے اور صدق کے اصولوں پر مبنی ہونی چاہیے جس طرح وہ ریت جس سے پانی نکلتا ہے۔ بہت کم دستیاب ہوتی ہے۔ اُسی طرح وہ محبت جو انسانی ذات کو ذات پاک کے قریب لے جاتی ہے۔ بہت کم لوگوں کے نصیب میں لکھی ہوتی ہے۔ محبت اگر صدقِ دل سے ہے تو انسانی ذات کا ذات پاک سے وصل کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ ایسی محبت پاک بندوں کی صحبت نیک لوگوں کی رفاقت نفس پر قابو رکھنے اور یادالٰہی میں محو رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور روحانیت کے اُس طبق پر پہنچا دیتی ہے۔ جہاں سے ذات الٰہی کی طرف طبق روشن ہوتے ہیں۔ ایسی محبت کی پہلی شرط نفس پر قابو اور لالچ طمع کو دبانا ہے۔ جس طرح پانی کشتی کے نیچے رہے تو کشتی پار لگ سکتی ہے اور اگر پانی کشتی میں بھر جائے تو وہ ڈوب جاتی ہے ٹھیک اُسی طرح نفس لالچ اور طمع نیچے دبا کر رکھا جائے تو انسان ظلمت کے سمندر کو پار کرسکتا ہے۔ اور اگر نفس لالچ اور طمع انسان کے اندر آئے تو وہ ڈوب جاتا ہے اس لئے نفس پر قابو رکھ کر لالچ اور حرص سے دُور ہو کر جب پروردگار سے محبت کی جائے تو وصل ممکن ہے۔

عشقِ حقیقی، اور معرفت کی منزلیں

باباجی صاحبؒ کی زندگی اور صوفیانہ شاعری عشق حقیقی کے گرد گھومتی ہے وہ فرماتے ہیں'' کہ اس راستے میں لالچ اور طمع سے بچنا ضروری ہے۔ یہاں لاکھوں جال اور دانے ہیں۔ ہم لالچی پرندوں کی طرح نئے نئے جالوں میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جس طرح گیہوں کے بورے کو چوہے ستیاناس کر دیتے ہیں۔ اُسی طرح لالچ اور طمع ہمارے دل کے صدق کو پوری طرح تباہ کرسکتا ہے اور ہم وصال یار کے عشق سے منہ موڑ کر دنیاوی باتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اس لئے عشق کی ہر منزل پر بیدار رہنا ضروری ہے۔'' آپ فرماتے ہیں کہ وہ عشق جو رنگ اور صورت کی خاطر ہوتا ہے۔ عشق نہیں ہوتا کیوں کہ رنگ اور صورت فناہ ہو جاتے ہیں فناہ سے عشق بے کار ہے۔ خوبصورتی تو آنکھوں کا چھلاوہ ہے۔

پھول کتنے ہی خوب صورت کیوں نہ ہوں۔ لیکن درخت اُن کو بھی جھاڑ دیتے ہیں۔ اس لئے اُس خوبصورتی کی تلاش کرنی چاہیے۔ جو ازل میں تھی جو ابد میں ہوگی جو لازوال ہے۔ جو لافانی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان اُس ذات سے عشق کرلے جو سدا بہار ہے۔ جو وقت اور موت سے پرے ہے۔ آپؒ کے مطابق اسلامی تصوف میں عشق کا احساس عظیم تر ہے۔ صوفی عقیدت کا مرکزی دائرہ عشق ہے۔ جب صوفی ذات پاک کے عشق میں گرفتار ہوتے ہیں۔ تو اللہ کی ذات کے قریب تر آجاتے ہیں اور پھر اُن کی اپنی کوئی ذات نہیں رہ جاتی اور اصل حقیقت آشکارہ ہوتی ہے۔ اس لئے عشق کی کدال سے روح کو کھود کر یادالہیٰ کی محبت کو تلاشنے کا نام ہی اسلامی تصوف ہے۔

آپؒ کی شاعری میں رموزِ روحانیت[1]

جب ہم موصوف کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ شاعری روحانیت اور تصوف کے اصولوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے آپ کی شاعری میں اللہ اور رسول پاک سے قربت کا اظہار ملتا ہے وہ شعروں کی وساطت سے عشق حقیقی کے راز کھولتے ہیں اور محبت کے جذبوں سے اُسے زرخیز بناتے ہیں اُن کی شاعری کی ٹھنڈک سادگی اور مٹھاس سے سننے والوں کا دل موم ہوجاتا ہے اور اُس میں مومن کی سیرت اُبھرآتی ہے ذات پاک کی صفت اور حقیقی عشق کو موزوں بنا کر کی گئی شاعری کا جو اسلوب موصوف کے کلام میں ملتا ہے۔ اُس کی شدت گہرائی اور تپش شاید ہی کسی دوسرے شاعر کے کلام میں دکھائی دے اگرچہ خیالات کے اظہار کے لئے آپ نے صوفیانہ انداز بیان اختیار کیا لیکن اُن کا اصل مقصد دین اسلام کی تبلیغ تھا اور جب وہ مبلغ ہو کر شعر کہتے تو اُن کا لہجہ اور زبان بدل جاتی ہے۔

الف:- الف دی اُلفت وچ الف ہوویں الف ہوندیاں نقط پا ناہیں
واحد ایک وحید دی ذات سبھے شکل دوسری آپ دکھا ناہیں
نقطہ خاص شریک ہے الف دا جی ایویں "بے" دے وچ سما ناہیں
میم ہوندیاں عبداؔ خوف ناہیں ایہہ الف نوں دیکھ جُدا ناہیں

موصوف نے تصوف کے راز پنجابی کے خالص ثقافتی رنگ میں کھولے ہیں آپ کے شعروں میں اسلامی تصوف کا رنگ ملتا ہے جب وہ شعر لکھنے لگتے ہیں تو ذات حقیقی سے وصل کی تڑپ واضح ہوجاتی ہے۔

ج:- جتیا کسے نہ عشق کولوں کئی لا کے بازیاں ہار گئے
ایک ناں رات شبرات تے جھات پائی کھلاں پُٹھیاں کر اُتار گئے
جدوں پہنچے پیغام پیاریاں دے تخت تاج تے راج وسار گئے
عبدؔ کسے نہ ڈٹھا معشوق سوہناں اُپر سولیاں آپ نوں چاڑھ گئے

ہندوستان میں چار سلسلے مشہور ہوئے ہیں یعنی چشتی، قادری، سہروردی، اور نقشبندی باباجی صاحبؒ کا تعلق

---

[1] میاں ارشاد احمد

نقشبندی سلسلے سے تھا۔ اس بات کی شہادت سید باغ حسین شاہ بخاری کے اس کلام سے ملتی ہے۔

ن: ۔ نور نبی تھیں نہر ایہہ نقشبندی جاری کیتی صدیق کبار سوہنے
ٹھاٹھاں ماردی نہر ایہہ اُتھوں چلی جا پہنچی وچ بخار سوہنے
اُتھوں موڑ واگاں فر چل پئی سرہند پہنچی بنھ قطار سوہنے
اُتھوں نہر بن سلاب آئی وچ لار شریف شاندار سوہنے
وچ لار جد نور چمکیا کیتا خود آپوں اظہار سوہنے

موصوف نے اپنی سی حرفیوں کے ذریعے ذات پاک کے وصل کو موزوں بنایا ہے موصوف عشق حقیقی میں اس قدر شرابور تھے کہ ہر وقت اللہ کی محبت اور بندگی میں گرفتار رہے وہ عشق حقیقی کی اُس معراج پر تھے جہاں محبوب نہ ہوتے ہوئے بھی سامنے دکھائی دیتا تھا جہاں دُکھ میں سکھ تھا جہاں درد ہی دوا بن جاتا ہے اللہ پاک اور نبی کریم ﷺ کی شان میں نزول ہونے والی یہ شاعری اُس اسلامی صوفیانہ سلسلے کا حصہ ہے جو شریعت میں رہتے ہوئے عبادت ریاضت اور محبت الٰہی کی وساطت ذات پاک تک رسائی کا ذریعہ بنتی ہے۔

آپ نے سی حرفیوں کے ذریعے روحانی عشق کی بات کی ہے اور اُس محبوب سے مخاطب رہے ہیں جو سامنے نہیں مگر جس پر ایمان لانا ہر مومن کا پہلا فرض ہے۔ آپ اپنی ذات کو اُس لاشریک کی جستجو میں گم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ن:۔ نال پیاریاں پیار کرکے پچھے مڑکے مول نہ ہٹیے جی
قدم رکھ کے عشق دے بحر اندر ہتھیں اپنے زہر نہ چٹیے جی
عشق جوش مارے کمن ملک سارے غضب دیکھ کے مول نہ جھکیے جی
عبد جان ایمان قربان کریئے سردیندیاں مول نہ رکھیے جی

کلام کی مقبولیت :۔ باباجی صاحبؒ کی شاعری کی ابتدا اگرچہ ۱۸۹۳ء سے پہلے نجوڑہ میں ہی

ہو چکی تھی لیکن آپ کی شاعری کو اُس وقت جلا ملی جب آپ نے ۱۹۰۵ء کے بعد متواتر پونچھ راجوری آنا جانا شروع کیا اور موہڑا پونچھ میں سردیوں کے ایام میں کچھ عرصہ کے لئے قیام کرنے لگے جب یہاں ہوتے تو رات کے وقت عقیدت مند اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ اور پھر الاو کے سامنے دو زانوں بیٹھ کر کچھ عقیدت مند بابا جی صاحبؒ اور دوسرے صوفی شعرا کے کلام کو گاتے تو سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے۔ یہ وہ حقیقی عشق ہوتا ہے جو انسان کے دل کے اندر جلا بخشتا ہے۔ آپ کی شاعری میں محبت، سوز، تڑپ، جُدائی اور ذات پاک کے ساتھ وصل کے موزعات بڑی عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ اُترتے ہیں آپ کی سی حرفیاں جو پنجابی زبان میں ہیں پورے پہاڑی خطے میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والوں کو زبانی یاد ہیں۔ لوگ ہمہ تن گوش اس کلام کو احترام کے ساتھ سنتے ہیں۔ کیونکہ موصوف کی صوفیانہ شاعری کو منفرد انداز تخیل کی پرواز الفاظ کا برتاو زبان کی مٹھاس اور موضوعات کی گہرائی اشعار میں وہ لطافت پیدا کر دیتی ہے۔ جس کے ذریعے موصوف روحانی بات عام آدمی کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں کچھ سی حرفیوں کے بند نمونے کے طور پر شامل کیے جا رہے ہیں۔

د:-
دُکھ دے بعد نہ دُکھ ہوندا دُکھ دیکھتاں سُکھ دی وار آوے
شام آون دے باجھ نہ صبح ہوندی دیکھ لیل تے تاں نہار ہووے
باجھ خزاں ناہیں فرفر باد آوے زمستان دے بعد بہار آوے
شمع روشنی دیوندی تدھوں عبداؔ جند ساڑ کے جان نثار آوے

☆

س:-
سنگاں دے وچ نہ بیٹھے جی واحد ہوکے یارنوں لوڑ لے
جیکر جاوناں پاس پیاریاں دے پہلے ہور وسیلوے توڑ لے
جام پی کے عشق شراب والا ماہی عیش ولوں مُکھ موڑ لے
تیل ملن کارن ہوندا تدھوں عبداؔ کاہڑپن کے جدوں نچوڑ لے

ص:- صبر گیا عشق مگر پیا شہر صبردا پٹ ویران کیتا
آہا نگر جو عقل تے صبر والا اتھے عشق نے آن مکان کیتا
اچن چیت ہی دل پھسیائے پہلے آوندیاں نہ دھیان کیتا
عبدؔ پا مصیبتاں دور گیوں نیوں لائیکے فر ارمان کیتا

بابا جی صاحبؒ کی پونچھ میں آمد اور اُن کی صوفیانہ شاعری پھیلنے کے ساتھ ہی ساتھ جہاں لاکھوں کی تعداد میں گجر اور پہاڑی طبقے کے لوگ جن میں پہاڑی گاؤں میں رہنے والے ہنود کا ندار بھی شامل تھے۔ آپؒ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے وہیں یہاں کے لوگوں میں صوفیانہ شاعری کی طرف رجحان بڑھا یہ آپ کی صوفیانہ شاعری کا ہی کمال تھا کہ جس کے زیر اثر بہت سے نوجوان صوفیانہ شاعری کی طرف مائل ہو گئے اور علاقہ پونچھ راجوری کی زمین لکھاڑیوں اور شاعروں کے لئے نم ہوتی چلی گئی اور بہت سے لوگوں نے صوفیانہ شاعری کرنی شروع کر دی اور سی حرفیاں بیت اور بارہ ماسے لکھنے لگے اکثر ایسے شاعر بابا جی صاحبؒ کی محفلوں اور مجلسوں میں آ کر اپنے کلام کو سناتے اُن کی باضابطہ اصلاح ہوتی اور پذیرائی بھی ہوتی یہ وہ حالات تھے جب بیسویں صدی کے آغاز ۱۹۰۵ء تا ۱۹۲۶ء میں بابا جی صاحب لاروی کی تحریک سے علاقہ پونچھ راجوری میں باضابطہ طور پر اسلامی تصوف والی صوفیانہ شاعری کی بنیاد پڑی پھر یہاں صوفی شعرا کی ایک لمبی فہرست تیار ہو گئی جب بھی بابا جی صاحبؒ پونچھ تشریف لاتے اور گاؤں کا دورہ کرتے تو رات کے وقت مجلس منعقد ہوتیں جن میں مقامی صوفی شعرا اپنا کلام پڑھتے اس طرح بابا صاحبؒ کے دربار میں صوفی شعراء کا ایک حلقہ تیار ہو گیا جن میں میاں نظام الدینؒ، مولوی حبیب اللہ شاہؒ بخاری بمرڈٹ والے، حاجی نوران شاہ صاحبؒ لاہ راجوری، قاضی عزیز الدین صاحب پونچھ مولوی عین الدین صاحب، سائیں قادر بخش، خدا بخش زارؔ، میاں محمودؔ صاحب، میاں فتح محمد درہالوی سردار فیروز خان تھکیالہ، سید برکت حسینؔ شاہ، سید باغ حسین شاہؔ، محمد زمانؔ اور عبدل پونچھی شامل ہیں۔

نوٹ اُن دکانداروں میں حری دھگی کے لالا رام سرن ہاڑی کے سیتارام تندھاری، لچھی داس گگی اور گنڈی کے لالہ پر بھدیال اور روڑ چند تنی بھی شامل تھے۔

ل:- لار والے پیشوا آئے پیاری جند نثار گھربار گھولاں

گھولاں کل جہان دے سوہنیاں توں نالے خاص احباب تے یار گھولاں

گھولاں رنگ محل تے بام سارے سوہنے مکھ توں کئی دلدار گھولاں

باغ حسینؔ اُس مکھ پر نور اُتوں کئی شیشیاں دے چمکار گھولاں

مندرجہ بالا اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں عقیدت مند آپ سے کس قدر محبت روا رکھتے تھے۔ آپ کے عقیدت مندوں میں ذات پات رنگ نسل فرقہ اور مذہب سے ہٹ کر سب دیناشامل ہوتی تھی کیونکہ آپ راست بازی ذات پاک سے محبت حق اور سچ کا درس دیا کرتے تھے یہی اوصاف آپ کی شاعری میں نمایاں طور سے نظر آتے ہیں۔

آپؒ کی سی حرفیاں :- آپ کی تخلیقات میں آٹھ سی حرفیوں کے مجموعے ''باباجی صاحبؒ دیاں سی حرفیاں'' کے علاوہ دو کتابیں یعنی ''اسرار کبیری اور ملفوظات نظامیہ'' بھی شامل ہیں۔

ملفوظات نظامیہ :- ملفوظات نظامیہ ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۳۳۶ھ میں باباجی صاحبؒ کے وصال سے تقریباً دس سال پہلے شائع ہوئی۔ ۴۵۶/صفحات پر مشتمل یہ کتاب '' کپور آرٹ پرنٹنگ پریس لاہور'' سے چھپوائی گئی تھی اور اس کتاب کی اشاعت کے لئے باباجی صاحبؒ خود لاہور تشریف لے گئے تھے۔ یہ کتاب ۱۲۷-ابواب میں منقسم ہے اولیا اکرام کی حیات سے بصیرت افروز مثالیں پیش کی گئی ہیں مختلف احکام اور مسائل کو بڑی سادگی اور دل لبھانے کے انداز میں پیش کیا گیا ہے جنھیں پڑھ کر پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔

کتاب کے پہلے ابواب میں باباجی صاحبؒ نے اپنی زندگی کے ابتدائی حالات بڑی صاف گوئی اور عمدگی کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ اور اپنی مصیبتوں و آزمائشوں کو اس مقصد کے ساتھ بیان کیا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور ایسے حالات میں گھبرائیں نہیں یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''میں خود اپنے حالات زندگی کو پڑھا کروں تا کہ

گھمنڈ اور تکبر سے بچ سکوں اصلی مقصد کی طرف آسکوں۔'' اُن کی نظر میں زندگی کا اصل مقصد اللہ اور رسول پاک ﷺ کی عبادت اور ریاضت میں محو رہنا ہے۔

''ملفوظات نظامیہ'' میں آپ نے پیرومرشد حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ کی پاکیزہ زندگی کے حالات وواقعات بھی درج کیے ہیں اور اُن سے اپنی ملاقات پھر دوران سفر پیش آنے والے واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے ان واقعات کے مطالعے سے حضرت کیانویؒ کی عظمت، بلندی، کرامات اور کمالات کے بارے میں انکشاف ہوتا ہے۔ اس کے بعد موصوف سلسلہ وار طریقے رسول اللہ ﷺ کی شان میں اور احادیث کی روشنی میں بعض مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

پھر دنیا، آخرت عالم کائنات کی حقیقت پر بڑی تفصیل کے ساتھ بات کرتے ہیں اس کتاب میں اللہ اور بندے کے درمیان رشتوں کو جوڑنے پر زور دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندے کو ہر حال میں اللہ کی رضا میں راضی رہنا چاہیے کیونکہ اس کے بغیر کوئی مددگار نہیں وہ فرماتے ہیں کہ بندے اور خدا کے درمیان رشتوں کو مضبوط کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی ذات پُرنور معاون ہوسکتی ہے۔ اس لئے اللہ اور اُس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ضروری ہے۔ پھر موصوف اُس کامل پیر کے ہاتھ پر بیعت ہونا بھی ضروری سمجھتے ہیں جو شریعت کا پابند ہو اور سنت نبویؐ پر کاربند رہے۔

کتاب کے آخر میں آپ نے اپنے عقیدت مندوں وطالبان حق کے لئے وظائف اور ختمات شریف کا طریقہ درج فرمایا ہے اور پڑھنے والوں کو اجازت دی ہے۔ کہ وہ ان پر عمل کریں اس کتاب میں قرآن شریف کی آیات کے ترجمے اور تفسیر حدیث شریف سے حوالے اولیاؤں کے اقوال مثنوی مولانا رومؒ کے اشعار اور بزرگان دین کی زندگیوں سے حوالے دے کر عام آدمی کو راہ حق کی طرف گامزن کرنے کے لئے تیار کیا ہے۔

اسرار کبیری کی اشاعت:-

اسرار کبیری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب باباجی صاحبؒ کی اعلیٰ پائے کی دینی سوچوں فکروں اور تجربوں کا حاصل ہے اور عقیدت مندوں کے لئے ہدایات رہبری اور رہنمائی کا ایک منبع ہے۔ اسرار کبیری ۱۹۱۸ء بمطابق ۱۳۳۷ھ میں صفر کے مہینے میں لکھنی شروع ہوئی اور اسی سال ۱۷ ارجمادی الاخر بدھوار کے دن ختم ہوئی جبکہ ۱۹۲۵ء ۱۳۴۴ھ میں اس کتاب کو سپرڈنڈنٹ جیل پونچھ نے "بلدیو پرکاش پریس" پونچھ سے شائع کرایا اس کی کتابت قاضی عزیز الدین (سرنکوٹ) نے کی جو راجہ پونچھ (سکھد یو سنگھ) کے دربار میں نائب کاتب کے عہدہ پر فائز تھا۔ اور باباجی صاحبؒ کے خاص اراتمندوں میں شامل تھا وہ خود اس بارے میں شعروں کے ذریعے اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔

وچ درگاہ خُداوندواری شکر ہزاراں واری
جسدے فضل کرم تھیں لکھی ایہہ کتاب پیاری

اسرار کبیری کتاب مبارک ہے تصنیف عجیبہ
باباجی صاحب مصنف اس دے واہ واہ نیک نصیبہ

میری قلم خام رقم تھیں لکھی گئی پیارے
پریس پونچھ وچ جیل خانے دے طبع ہوئی یارے

ختم کتاب ہوئی سن بکرمی اُنی سو بیاسی
تیراں سو چتالی ہجری سن مبارک خاصی

اس کتاب کی تصنیف کے بارے میں خود موصوف فرماتے ہیں کہ ۱۹۱۸ء بمطابق ۱۳۳۷ھ کے شوال کے مہینے میں آپ کو خواب میں ایک مرد کامل نے جلوہ گر ہو کر یہ کتاب لکھنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہا کہ اس کا نام اسرار کبیری رکھا جائے۔ چنانچہ اس کتاب کی تصنیف کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ باباجی صاحبؒ تہجد کی نماز کے بعد سحری کے وقت اپنی مسجد شریف میں بیٹھ کے بولتے جاتے جبکہ جناب احمد جی المعروف آخوان زادہ اور مولوی عین الدین

لکھتے جاتے تھے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جن کتابوں کے حوالے یا شعر موصوف نے زبانی بول کر درج کرائے اُن کتابوں کے پڑھنے یا مطالعہ کرنے کا ثبوت کہیں نہیں ملتا اس لئے یہ لدنی علمیت کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ اتنی بڑی کتاب جو دینی امور پر بڑا مُستند نسخہ ہے تصنیف ہو پائی۔ اس کتاب میں فارسی عربی پنجابی اور اُردو کو چھوڑ کر ہندی کی کتابوں سے بھی حوالاجات درج کیے گئے ہیں۔

اسرار کبیری[1] پُر معنی دیباچہ اور حمد باری تعالیٰ سے شروع ہوتی ہے پھر نعت محمدیؐ اپنے مرشد کی تعریف میں اقتباس خیر اور شر کے متعلق بحث کی گئی ہے پھر مرید کا پیر پر اعتقاد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ پرہیز گاری مشقت اور ریاضت کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔ تبلیغ کے مسلے پر گفتگو ہے شرک اور بدعتوں کی نشاندہی ملتی ہے۔ محاسبہ توبہ اور پیر کا حق سالک اور احمق کا فرق بتایا گیا ہے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات دیئے ہیں کتاب میں باباجی صاحبؒ نے اپنے اشعار کے ذریعے دین حق پر اپنے ایمان کی پختگی کو یوں ظاہر کیا ہے۔

الف:- الف تھیں ہو جُدا نا ہیں ظاہر بندگی نال وجود کریئے
کر قیام تے رکھ دھیان سارا الف تک کے فرجُود کریئے
رکھ وچ رکوع امید لمی قعدے بیٹھ کے رب موجود کریئے
نفی ہو خاں عبدا آپ پہلے تائیں یار داقُرب قبول کریئے

''اسرار کبیری'' میں آپ فرماتے ہیں کہ کامل ولی وہ ہو سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن ہو بائیں ہاتھ میں حدیث رسول اللہ ﷺ ہو پھر وہ قرآن اور حدیث کی ہدایت کے مطابق منزلیں طے کرے۔

---

[1] اسرار کبیری کے قلمی مسودہ کے آغاز میں یہ عبارت درج ہے .... کتاب ہذا کی تصنیف کرنے کا سبب یہ ہوا کہ ماہ شوال ۱۳۳۲ھ کو خواب میں ایک ولی نے جلوہ گر ہو کر کتاب مذکورہ کی بشارت دے کر نام اسرار کبیری بھی بتلا دیا تو اسی حکم کے مطابق تعمیل خادم الفقرا والمسکین نے کی۔ ماہ صفر ۱۳۳۲ھ کے آغاز میں کتاب مذکورہ کو لکھنا شروع کیا گیا۔ مورخہ ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۳۲ھ بروز بدھ وار وقت ظہر پوری اختتام کی گئی لا بعد واضح ہو کہ خادم الفقرا کی قابلیت تصنیف کرنے کی نہ رکھتا تھا۔ مگر مجبوری سے حکم ہذا کی تعمیل کی گئی ہے اسی لئے ہر ایک صاحبان کو چاہیے کہ بندا کی تقریر میں جو کہ سہوا غلطی الفاظ واقع ہوئی ہے تو اس میں کسی قسم کی انگشت نمائی نہ کریں۔ بندہ کی غلطی الفاظ و عبادت قبول فرما کر فدوی کے حق دُعا خیر کرنی چاہئے .... آمین ثم آمین یا رب العلمین۔

اسرار کبیری دینی علم، فقہ، تصوف، نصیحتوں اور ہدایتوں کا گلدستہ روحانیت اور معرفت کا ایک سمندر ہے جس میں اترنا صرف عارف ہی جانتا ہے یہ حقیقت ہے کہ اس کامل ولی کی ہر بات الہام کی طرح تھی جو عقیدت مندوں کے دلوں میں اُتر جاتی تھی کتاب میں آپ فرماتے ہیں کہ "دو چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھنا چاہئے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اگر چہ یہ دو چیزیں آپ کے ساتھ ہیں تو آپ گمراہ نہ ہو سکے اور جو شخص اللہ کی عبادت اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کرے گا ذکر اور فکر میں محو رہے گا۔ ظاہر اور باطن کو رسالت مآب کے تابع رکھے گا۔ اُس کا رہبر اور حادی صرف اللہ ہی ہوگا۔" "اسرار کبیری" میں ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ "شیطان آپ کے آگے ہے۔ نفس آپ کے دائیں طرف ہے۔ خواہش بائیں طرف ہے۔ دُنیا تمہارے پیچھے ہے۔ اور اللہ پاک تمہارے سر کے اُوپر ہے۔ جو تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

ولی اور ولایت کی تشریح:- کتاب میں ولی کی تعریف کے بعد ولایت کی تشریح کی گئی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ "ولی کی تین علامتیں ہیں پہلی یہ کہ کوئی اُسے دیکھے تو اُس کا دل ولی کی طرف مائل ہو جائے اور دل میں خُداوند کریم کی محبت پیدا ہو جائے۔ دوسری یہ کہ ولی کی بات دل میں اُتر جائے اور انکساری کی طرف موڑ دے تیسری یہ کہ اُس کے منہ سے کوئی بھی گندی بات نہ نکلے۔ اور اُس کی ہر بات اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے قانون اور مرضی کے مطابق ہو۔" پھر فرمایا کہ "معرفت خُداوندی کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں پہلی کلام اللہ دوسری احادیث رسول اللہ ﷺ اور تیسری مشائخ کے ملفوظات اور ہدایات جو قرآن اور حدیث کی تشریح کی صورت میں ہوں۔ اپنی دلیل کے ثبوت میں وہ قرآن شریف کی آیات کا سہارا لیتے ہیں۔" آپ فرماتے ہیں کہ "ظاہری عبادت کا تعلق جسم سے ہے۔ جبکہ باطنی عبادت نفس پر قابو رکھنا ہے اور اپنی ہستی کو ختم کر دینا دراصل ہمیشہ رہنے والی زندگی کی شرط ہے۔ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفات سے واقف ہو عبادت میں محو رہے گناہوں سے دور رہے۔ زیادہ حرص (خواہش) نہ کرے تو ذات پاک کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔" حضرت باباجی صاحبؒ شریعت طریقت حقیقت روحانیت اور معرفت کی منزلیں طے کر چکے تھے اور وہ اُس حقیقت سے آشکارہ ہو چکے تھے

جو کسی بہت بڑے ولی کو نصیب ہوتی ہے۔آپ اپنے دور کے مانے ہوئے بہت بڑے ولی اور مذہبی معاملوں میں بڑی محترم اور مقدم حثیت رکھتے تھے۔آپؒ ہر ایک کو نماز، روزے، حج، زکواۃ توکل اور صبر و شکر کا عملی درس دیا کرتے تھے۔''اسرار کبیری'' میں نماز اور روزے کو چھوڑنے والوں کو آپؒ نے احکام الہیٰ سے باغی قرار دیا ہے۔اور شریعت کی پابندی کا درس دیا ہے۔

''اسرار کبیری'' مختلف زبانوں کا گلدستہ :۔ اسرار کبیری کے پاک مضمون کی عبادت کو آپؒ نے اپنی پاک زبان سے لکھایا اور ایک ہی وقت میں اُردو فارسی، پنجابی، عربی اور ہندی کو استعمال میں لا کر اعلیٰ پائے کی علمیت کا ثبوت دیا ہے۔اس کے علاوہ قرآنی آیات اور حدثیوں کا استعمال کر کے دین اور ایمان پر لوگوں کو کار بند رہنے کی ہدایت کی ہے فارسی کا اس کتاب میں سب سے زیادہ غلبہ ہے جس سے باباجی صاحبؒ کی عملی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

باباجی صاحبؒ کی یہ شعرہ آفاق تصنیف اسرار کبیری برِصغیر میں ہر جگہ اُن کے ارادتمندوں کے پاس موجود ہے۔پڑھنے والے احترام واشتیاق، خلوص اور عقیدے کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کر کے فیضان حاصل کرتے ہیں۔اگر چہ اب یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے۔دوبارہ چھاپنے پر غور ہو رہا ہے۔

باباجی صاحبؒ کی کرامتیں اور نوازشیں :۔ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے بزرگ اولیا اور صوفی حضرات زبان کے ساتھ ساتھ دل سے اور روحانیت سے محبوب حقیقی کو یاد کرتے ہیں۔اس سلسلہ پر کار بند رہنے والے ولی عبادت ریاضت اور چلہ کشی سے روحانی طاقت حاصل کرتے ہیں۔اور ذکر خلوت توجہ مراقبہ اور تصوف کا سہارا لیتے ہیں۔جس کے باعث قدرت کی کچھ عنائتیں اُن پر ہوتی ہیں۔اس طاقت سے وہ روح کو تازہ توانا اور طاقت ور بنا کر طاقت ارادی حاصل کرتے ہیں۔اور پھر وہ خریق عادات یعنی فطری قانون سے بھی الگ اور انوکھی بات کرنے کے مجاز ہو جاتے ہیں۔پھر اُن کا مرتبہ عام انسانوں سے اوپر اُٹھ کر ولی اور اولیا کا ہو جاتا ہے

اور جو طاقت انہیں قدرت کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ اُس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ اس قدرتی طاقت کے باعث وہ مخلوق کی بھلائی راحت اور سکون کے لئے کام کرتے ہیں۔ اُن کی دُعا میں اتنا اثر ہو جاتا ہے کہ وہ دکھ کو سکھ اور درد کو شفا میں بدل دیتے ہیں عام انسان کی مرادوں کو بارآور کرنے میں معاون بنتے ہیں۔

باباجی صاحب کی حیاتی ایک ایسے سالک ولی اللہ کی زندگی ہے۔ جنھوں نے عبادت ریاضت اور چلہ کشی کے ذریعے ایسے اولیا کا درجہ پایا جن کی دُعا بارگاہ الہیٰ میں قبول ہوتی تھی اور وہ مخلوق کے لیۓ رحمت ثابت ہوتے تھے۔ آپ آبائی وطن نجوڑہ شریف میں قبر نما عبادت خانے میں سات سال تک عبادت الہیٰ میں محو رہے۔ اور آخری پانچ سال آپ کی خوراک صرف ڈھائی دانے کھجور تھے۔ عبادت اور ریاضت کے طبق چڑھتے چڑھتے زندگی کے اُس طبق پر پہنچ گئے تھے۔ جہاں اُن کے منہ سے نکلے ہوۓ اقوال اور باتیں سچ ثابت ہونے لگیں اور دُنیا نے اس سچائی کو کرامتوں سے منسوب کیا۔

آپ ؒ کی دینی اور علمی معلومات:۔ شرعی معاملوں میں آپ ؒ کو الہام کے ذریعے آگاہی ہوتی رہتی تھی۔ جبکہ دینی معاملات میں سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ جب ایک نہایت ہی غریب اور بے سہارا شخص کو مرشد چارسیر "جو" پر اللہ کے نام کا لنگر جاری کرنے کا حکم دیتے ہیں تو آپ اللہ کا نام لے کر لنگر جاری کر دیتے ہیں۔ آپ کا جاری کردہ لنگر پچھلے ایک سو دس سالوں سے جاری وساری ہے۔ جہاں ہر بھوکے کو کھانا ملتا ہے بے سہارا کو پناہ ملتی ہے اور لنگر میں آنے والے ہر شخص کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ لنگر میں بٹنے والی روٹی لسی اور مرچی کی چٹنی عقیدت مندوں کے لئے غذا ہی نہیں دُعا بھی ثابت ہوتی ہے۔ اور آخرت بھی سنورتی ہے۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ "جس نے میرے مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر لنگر کی لسی روٹی کھائی اُس کے روز آخرت کا انشاللہ میں ذمہ دار ہوں گا"۔"

باباجی صاحب ؒ کی ذات سے ہزاروں کرامتیں منسوب ہیں جو دربار لار پر ظہور میں آئیں یا پھر جب آپ

راجوری پونچھ اور دوسرے علاقوں کے دورہ پر ہوتے اور مرید وعقیدت مند اپنی حاجتوں مرادوں کو آپ کے سامنے رکھتے تو آپ اُن کے لئے دُعا کرتے جو بات اپنی زبان مبارک سے فرماتے وہ حقیقت میں بدل کر سچ ہو جایا کرتی تھی اس طرح آپ کی کرامتوں سے ہزاروں لوگوں نے فیض اُٹھایا اُن کے دُکھ سکھ میں بدل گئے۔ دردوں سے شفا ملی اور مرادوں سے جھولیاں بھر گئیں۔

گونگے کا بات کرنا:- ایک بار باباجی صاحبؒ شاہدرہ شریف رکھتے تھے۔ کچھ لوگوں نے موصوف کو آزمانے کی خاطر ایک بیمار اور گونگے شخص کو وہاں لایا جو بچپن سے گونگا تھا۔ اُسے باباجی صاحبؒ کے روبرو پیش کیا گیا۔ دیکھ کر آپؒ نے فرمایا خُداوند کریم کے حکم سے کھڑا ہو جاوہ گونگا آدمی کھڑا ہو گیا پھر حضرت نے فرمایا خُدا کے حکم کے ساتھ بول تو اُس شخص نے کہا ''اسلام علیکم'' اس طرح وہ عام آدمی جیسا بولنے لگا بعد ازاں موصوف نے اُس شخص سے پوچھا کہ ''تم کو کس نے ٹھیک کیا ہے۔'' اُس نے کہا ''آپؒ نے'' آپ نے فرمایا نہیں ''خُداوند کریم نے تم کو شفا بخشی ہے۔''

فصلوں کو آفات سماوی سے بچانا[1]۔ علاقہ درہال راجوری میں جب گندم اور شالی کی فصل پک جایا کرتی تھی تو اکثر اتنی ژالہ باری ہوتی کہ فصلیں تباہ ہو جاتیں اسے لوگ آسمانی قہر مانتے تھے اور فصلوں کے تباہ ہونے پر نہایت رنجیدہ تھے۔ اسی دوران ایک بار باباجی صاحبؒ درہال تشریف لائے تو تمام خلقت نے آپؒ کے روبرو پیش ہو کر التماس کی کہ ہمیں اس آسمانی قہر سے نجات دلوائی جائے آپؒ نے اپنے رب سے التجا کی کہ ''درہال کے عوام کو اس آفات سماوی سے نجات دلائی جائے۔'' اُس کے بعد پکی ہوئی فصلوں پر ژالہ باری کا سلسلہ بند ہو گیا اور لوگوں کو راحت ملی۔

---

[1] چودھری اقبال عظیم

وائسرائے ہند کا دورہ ملتوی ہونا:۔ ایک دفعہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کی دعوت پر وائسرائے ہند نے کشمیر آنے کا فیصلہ کیا اور مہاراجہ نے اُن کے اعزاز میں داچھی گام کے صحت افزا مقام پر اعلیٰ نسل کے جانوروں کی نمائش کا اہتمام کیا تو علاقہ وانگت کے نمبردار شیر داد نے دوسری گایوں کے ساتھ ساتھ لنگر کی کچھ گائیں بھی پکڑ لیں داچھی گام کی طرف چل پڑا وائیل پل کے قریب لنگر کے خادم نے نمبردار سے کہا ''کہ باباجی صاحبؒ کا حکم ہے کہ یہ گائیں لنگر کی ہیں انہیں نہ لیا جائے مگر نمبردار نے کوئی پرواہ نہ کی کہا کہ اُسے مہاراجہ کا حکم ہے اس لئے نہیں چھوڑ سکتا خادم نے واپس جی صاحبؒ کو آکر اطلاع دی تو آپؒ نے فرمایا'' گھبراو نہیں گائیں واپس آجائیں گی۔'' اُسی دوران وائسرائے ہند کا داچھی گام آنے کا پروگرام ملتوی ہو گیا اور مہاراجہ نے حکم دیا کہ مویشی مالکان کو لوٹا دیئے جائیں چنانچہ اُسی دن لنگر کی گائیں واپس مویشی خانہ میں آگئیں نمبردار کے جسم میں جلن شروع ہوگئی۔ اور وہ سخت بیمار ہو گیا اُسے وائیل پُل سے اُٹھا کر گھر واپس لایا گیا بعد میں وہ جذام کی بیماری میں مبتلا ہوا اب اُسے اپنے کئے کا احساس ہوا وہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا بہت آہ وزاری کرنے لگا معافی مانگی اور توبہ کی اس پر آپؒ نے نمبردار کے حق میں دُعا کی اور وہ دھیرے دھیرے ٹھیک ہو گیا۔

نہر کا جاری ہونا:۔ علاقہ ولیواڑ کشمیر میں ایک بار پانی کی نہر کے مسئلے پر دو گروپوں میں تصادم ہو گیا۔ ایک طبقہ باباجی صاحبؒ کے دربار میں پیش ہوا اور عرض کیا کہ چل کر فیصلہ کریں۔ چونکہ دونوں گروپ باباجی صاحب کے مریدوں سے تھے۔ اس لئے آپؒ ولیواڑ آئے اور موقع دیکھ کر فیصلہ سنایا تو دوسرے گروپ کے لیڈر چودھری طائفے نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ''یہاں جو فیصلہ تحصیلدار یا نائب تحصیلدار کرے گا ہم اُسی کو مانیں گے۔'' اس پر باباجی صاحبؒ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ ''یہاں رسول پاک ﷺ کا نائب آیا ہوا ہے۔ انشااللہ اس جگہ ہمیشہ پانی کی نہر جاری رہے گی۔'' قدرت کا کرنا تھا کہ کچھ عرصے کے بعد حکومت نے اُسی جگہ نہر تعمیر کروائی جس کی نشاندہی باباجی صاحبؒ نے کی تھی۔

مسجد میں جلوہ نُور کا ظہور:- ایک بار حضرت باباجی صاحبؒ بابا نگری میں چھوٹی مسجد میں حسب معمول ریاضت میں مشغول تھے۔رات گئے آپؒ کے نور چشم میاں نظام الدینؒ اور آپؒ کے مرید خاص سید عمران شاہ صاحب نے قریب کی رہائش سے دیکھا کہ مسجد شریف کے چوبی کواڑ کی درز سے عجیب اور تیز روشنی باہر پھیل رہی ہے۔گمان گزرا کہ کہیں آگ نہ بھڑک اُٹھی ہو۔گھبراہٹ میں مسجد کے قریب آگئے اور اندر جھانک کر اتو کھا نظارا یوں دیکھا کہ باباجی صاحبؒ کسی ہستی کے سامنے دست بستہ استادہ ہیں۔پنجابی میں نعت شریف ترنم کے ساتھ اشک بار آنکھوں سے بڑے انہماک سے پڑھ رہے ہیں۔

یا رسول اللہؐ یا رسول اللہؐ میں کراں ندائیاں
میرے بابل تیرے لڑلائیاں

تھوڑی آہٹ ہوئی تو روشنی غائب ہوگئی اور مخاطب ہستی جو درحقیقت نور کا جامہ تھا۔نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔باباجی صاحبؒ نے غصے میں زور سے للکارا۔کون ہے؟ یہ دونوں حضرات ڈر سے بھاگ گئے۔صبح بلا کر پوچھا کون تھا۔انکشاف ہوا کہ میاں نظام الدین صاحبؒ اور پیر عمران شاہ صاحب تھے۔سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ''ایسا کیوں ہوا'' جواب دینے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔آپ لوگ کیوں میری جاسوسی کرتے ہیں۔تھوڑے دنوں بعد حضرت میاں صاحب نے باباجی صاحبؒ کے چشم دید واقعہ کا ذکر کیا۔تو آپ کا رویہ چشم پوشی کا تھا۔جیسے افشائے راز پر تاسف ہو۔حضرت میاں صاحب نے جسارت کر کے دریافت کر لیا کہ آپؒ اُس وقت کن کے حضور کھڑے تھے۔؟

آپؒ نے فرمایا ''جن کے گن گا رہا تھا وہی تھے۔'' آپ پر رقت طاری ہوگئی لیکن وصیت فرمائی کہ ''یہ واقعہ میری زندگی میں نہ دہرایا جائے۔''

پاوں کا پتھر پر نقش ہونا:۔ ۱۹۱۹ء کا واقع ہے سردیوں کا موسم تھا باباجی صاحبؒ کچھ دنوں کے لئے پونچھ آئے ہوئے تھے۔عقیدت مندوں نے آپؒ کے اعزاز میں ایک بہت بڑی مذہبی مجلس کا اہتمام لسانہ کے اُس پار نگری میں کیا جس میں علاقہ سرنکوٹ پونچھ اور راجوری کے ہزاروں افراد شامل تھے۔ آپؒ ایک پتھر پر کھڑے ہو کر تبلیغ فرما رہے تھے۔اپنی تقریر کے دوران جب آپ نے کہا ''اللہ کے کلام میں اتنی طاقت ہوتی ہے۔کہ انسان تو انسان پتھر بھی موم ہو کر پگھلنے لگتے ہیں'' تو کسی نے التجا کی کہ ''حضور جس پتھر پر آپ کھڑے ہیں وہ پگھل رہا ہے اور آپ کے پاوں پتھر میں دھنس گئے ہیں۔'' آپ نے دیکھا کہ پاوں واقعی دھنس گئے ہیں۔تو فرمانے لگے کہ ''یہ خلاف شرع ہے۔اس لئے آپ نے پاوں اُٹھایا دوسری جگہ رکھا وہاں بھی پاوں مبارک پتھر میں دھنس گیا اس طرح یکے بعد دیگرے تین مرتبہ پاوں مبارک پتھر میں دھنس گئے آپ فوراً نیچے بیٹھ گئے۔اور فرمانے لگے ''لوگ اِس پتھر کو پوجنا شروع کر دیں گے یہ غلط بات ہے۔'' بعد میں واقعی لوگ وہاں چڑھاوا چڑھانے اور دیا جلانے لگ گئے چونکہ یہ بات آپؒ کو پسند نہ تھی بارش شروع ہوئی سیلاب آیا پتھر برلب دریا تھا۔اِس لئے سیلاب نے اِسے اپنی جگہ سے اُلٹا کر دیا پتھر غائب ہو گیا پھر میاں بشیر احمد صاحب کی بارات جس روز لسانہ چودھری غلام حسین صاحب کے ہاں آئی اُس روز ظہر کی نماز کے بعد یہ پتھر پھر وہاں ہی نمودار ہو گیا اِسی پتھر پہ میاں بشیر احمد صاحب کھڑے تھے پاس ہی بکریاں چرانے والے کچھ لڑکے تھے اُنہوں نے جونہی پتھر دیکھا تو شور مچایا کہنے لگے ''آج وہ پتھر پھر نمودار ہو گیا ہے جس پہ دُلہا کھڑا ہے۔''

بیساکھ کا مہینہ تھا حضرت قبلہ باباجی صاحبؒ ۱۹۲۰ء میں براستہ اُوڑی پونچھ تشریف فرما ہوئے اور خواجہ غلام قادر کے ہاں ٹھہرے۔دوسرے دن سرنکوٹ کا رخ کیا اور پوٹھا کے سبزہ زار میں ایک مجلس میں تشریف لائے اور ذکر و تبلیغ کا دور ایک عرصے تک چلتا رہا لوگوں کو ایمان پر رہنے نشے سے پرہیز کرنے نماز وقت پر ادا کرنے اور شریعت کے مسلوں پر ہدایات کرتے رہے اس دن سینکڑوں افراد کو بیعت کر کے سلسلہ نقشبندیہ میں شامل کیا۔

اس مجلس میں مولوی حبیب اللہ شاہ بخاریؒ ہمراہ وٹ سردار غلام حسین منہاس سرنکوٹ (جنھیں سردار سموئیہ بھی کہا جاتا تھا) چودھری گلزار اراڑی اور سردار ابراہیم بھاٹہ دھوڑیاں بھی شرکت فرماتے تھے۔ مولوی حبیب اللہ شاہؒ بخاری نے عرض کیا کہ "یہ میرے تین مرید ہیں اور تینوں میں سے کوئی بھی صاحب اولاد نہیں اس لئے ان کے حق میں دُعا کی جائے" اُس وقت موصوف کے سامنے پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا آپ نے گلدستہ اُٹھایا اور چار پھول سردار غلام حسین منہاس کو دیئے دو چودھری گلزار کو دیئے اور دو ابراہیم کو دینے لگے۔ سردار غلام حسین نے ایک پھول اور کھینچ لیا۔ باباجی صاحبؒ نے سردار غلام حسین سے پوچھا "تیرے پاس کتنے پھول ہیں" اُنھوں نے کہا "پانچ" اس طرح سردار غلام حسین کو دو بیویوں میں سے پانچ لڑکے پیدا ہوئے۔ چودھری گلزار کے گھر دو اور سردار ابراہیم خان بھاٹہ دھوڑیاں کے گھر ایک بچہ تولید ہوا۔ سردار غلام حسین اور سردار ابراہیم اگرچہ مولوی حبیب اللہ شاہؒ سے بیعت تھے لیکن خود مولوی صاحب، باباجی صاحبؒ کے دستِ شفقت پہ بیعت تھے اور آپؒ کے خلفاء میں شامل تھے۔

شیخ صاحب پر خصوصی توجہ: ۱۹۲۳ء[1] کا واقع ہے اُس زمانہ میں باباجی صاحبؒ ایک روز سرینگر سے وانگت تشریف لے جا رہے تھے۔ لوگ باباجی صاحبؒ کو پالکی میں اُٹھا کر لے جا رہے تھا۔ اُن دنوں شیخ محمد عبداللہ، کالج میں پڑھا کرتے تھے۔ اور کسی میدان میں دوستوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اتنے میں یہ لوگ باباجی صاحبؒ کو پالکی میں اُٹھائے وہاں سے گزرنے لگے۔ تو لڑکوں کو شرارت سوجھی اور پالکی کی طرف کنکریاں مارنے کی کوشش کرنے لگے جن میں شیخ صاحب بھی شامل تھے۔ اس موقع پر باباجی صاحبؒ نے پالکی رکوائی شیخ صاحب کو بلایا اور فرمایا "کہ آپ کا یہ کام نہیں آپ نے تو بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔" اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئے اور شیخ محمد عبداللہ اپنے گھر آ گئے لیکن جس ہاتھ سے آپ نے پتھر پالکی کی طرف پھینکا تھا وہ سُن ہو گیا۔ اور سخت درد کرنے لگا پھر شیخ صاحب کے سوتیلے بھائی نے پوچھا "تو نے دن میں ایسا کیا کام کیا ہے۔ جس سے یہ درد ہوا"

[1] میاں بشیر احمد

شیخ محمد عبداللہ صاحب نے کہا "ہم لڑکے کھیل رہے تھے باباجی صاحبؒ کی سواری آئی تو ہم نے شرارت سے کنکریاں ماری تھیں۔" اُن کے بھائی نے کہا "تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے کیونکہ باباجی صاحبؒ اس وقت ریاست کے سب سے بڑے ولی ہیں۔" چنانچہ شیخ صاحب وانگت آئے اور باباجی صاحبؒ کے روبرو پیش ہوئے آپ نے فرمایا گھبراو مت تم ٹھیک ہو جاؤ گے اور تم نے بہت کام کرنے ہیں اور آگے جانا ہے۔ پھر شیخ صاحب نے لنگر سے تبرک حاصل کیا واپس آگئے کچھ دنوں بعد اُن کے بازو کا درد جاتا رہا۔ اس واقع کے بعد شیخ محمد عبداللہ کا لار بابانگری سے روحانی رشتہ قائم ہو گیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دربار میں حاضری[1]

سلسلہ نقشبندیہ کی ابتدا ترکستان سے ہوئی اور ہندوستان میں اس سلسلے کی تبلیغ کی شروعات حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے کی اُن کے بعد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اس مسلک کو پورے ہندوستان میں پھیلایا جن کا آستانِ عالیہ سرہند شریف میں واقع ہے۔ چونکہ باباجی صاحبؒ بھی سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے آپؒ کی سرہند شریف درگاہ عالیہ پر حاضری دینے کی بڑی خواہش تھی چنانچہ ۱۹۱۷ء بمطابق ۱۳۴۶ھ میں جب "ملفوظات نظامیہ" تصنیف ہوگئی اور اس کتاب کی اشاعت کا مسئلہ درپیش آیا تو آپؒ نے خود لاہور جاکر کتاب کی چھپائی اپنی زیرِ نگرانی کرانے کا فیصلہ کیا اُس وقت آپ میاں نظام الدینؒ کے ساتھ موہڑا اپچھائی پونچھ میں تشریف فرما تھے اور ۱۹۱۷ء کے موسم سرما میں لاہور روانہ ہوئے۔ اُس وقت آپ کے رفیق راہ جناب حبیب بجران اور میاں عبدالکریم بجران تھے۔ چنانچہ لاہور میں کتاب کی اشاعت کا سلسلہ طے کرنے کے بعد موصوف زیارت سرہند شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سفر براستہ ریل گاڑی طے ہوا روایت ہے کہ ریل میں باباجی صاحبؒ جس برتھ پہ تشریف فرما تھےؒ اس برتھ کے برابر والے برتھ پہ بیٹھا ہوا ایک ہندو لڑکا خوش الحانی سے گا رہا تھا

[1] حضرت میاں بشیر احمد

اِس نے اپنے پاؤں برتھ سے نیچے لٹکائے ہوئے تھے۔ جو آپؒ کے سر مبارک کے بالکل قریب تھے بابا جی صاحبؒ خود درود رہے تھے میاں عبدالکریم بجران نے اِسے ٹوکا آپؒ مراقبے میں تھے آنکھ کھولی انہیں کہا ''اِس کے ساتھ نہ چھیڑو۔''

سر چکے جدوں قدم ہنداں دے تائیں قلب دے وچ اسرار ڈٹھے
ادھی منزلاں وچ دیدار ہوئے یوسف ایک دو تن تھیں چار ڈٹھے

پھر حضرت سرہند شریف چلے گئے'' اور درگاہ کی زیارت سے فیض یاب ہوئے واپس پھر لاہور تشریف لائے اور ملفوظات نظامیہ'' چھپوا کر پونچھ آئے اور حضرت میاں نظام الدین صاحبؒ کو ساتھ لے کر براستہ درہ حاجی پیر اُوڑی کے رستے وانگت تشریف لے گئے۔

سائیں قادر بخش کی باباجی صاحبؒ سے ملاقات[1]

پونچھ کی مردم خیز دھرتی نے مختلف ادوار میں کئی عالم، فاضل شاعر، ادیب، مفکر اور دانشور پیدا کیے ہیں۔ اِسی صف میں پنجابی کے قادر الکلام شاعر سائیں قادر بخش کا نام بڑے احترام کے ساتھ گردانا جاتا ہے۔ پنجابی کی خوش بختی تھی کہ اِس کی آغوش میں اِس مردِ قلندر نے آنکھیں کھولیں جسے نہ دُنیا کا طمع نہ زمانے کی پرواہ بیدار مغز ہونے کے علاوہ بیدار بخت بھی تھے۔ طبیعت میں لا اُبالی پن تھا اِس لئے ایک جگہ ٹک نہ پائے۔ کچھ مدت کے لئے محکمہ جنگلات میں ملازمت بھی کی لیکن دل ستم زدہ کے در پر آن حضرتِ عشق نے صدا دی اِس اجنبی مہمان کے ساتھ سنگت کا یہ نتیجہ ثابت ہوا سلسلہ روزگار کو کیا ترک کیا بلکہ پونچھ شہر کو ہی خیر باد کہہ دیا۔ شاہدرہ شریف حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کے دربار کی چوکٹ جا سنبھالی شاعری کا چرچا ہونے لگا۔

[1] میاں ارشاد احمد

بقول بلھے شاہؒ

راںجھا، راںجھا کردی نی میں آپی رانجھا ہوئی
سدّو نی مینوں دھیدو راںجھا، ہیر آکھو نہ کوئی

شعر سے رغبت رکھنے والے لوگ بابا جی صاحبؒ کی مجلس میں سائیں صاحب کا کلام پڑھنے لگے بابا جی صاحبؒ کے فرزندِ ارجمند میاں نظام الدین صاحب ؒعرف حاجی بابا صاحبؒ نے باقی شعرا سے جب سائیں صاحب کے کئی شعر سُنے تو آپؒ کو اِن سے ملاقات کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ بسیار کوشش کے باوجود بھی ملاقات نہ بن پاتی تھی۔ ایک دن بابا جی صاحبؒ پونچھ تشریف فرما تھے۔ آپؒ کے کئی ارادتمند آپؒ کے پاس موجود تھے۔ اِن میں خواجہ عبداللہ جو بھی شامل تھے۔ بابا جی صاحبؒ نے خواجہ صاحب سے فرمایا'' عبداللہ جا یاوہ میری کپڑ چادر سائیں قادر بخش نا دے آ''۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپؒ کی سفید سوتی چادر خواجہ عبداللہ جو سائیں صاحب کو جب دینے آئے تو دیکھا کہ موصوف بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے ہیں۔ خواجہ صاحب کو دیکھا گفت وشنید کے بعد کہنے لگے۔'' خواجہ صاحب ایہہ کی ہے؟ انہوں نے کہا'' ایہہ سوتی چادر بابا جی صاحبؒ نے تساں واسطے دتی ہے۔'' یہ سُنتے ہی حقہ پتھر پہ پھینکا اور توڑ دیا کہنے لگے'' ایہہ ھیا تیرا میرا عمر دا سنگ سی اج اوبھی ختم ہو گیا۔'' اُٹھے ہاتھ صاف کیے چادر کو تہہ کیا چوما اور اپنے سر پر رکھ لی بغیر کسی اصرار کے خواجہ صاحب کے ہمراہ بابا جی صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ بابا جی صاحبؒ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی آپؒ بڑی شفقت اور مہربانی سے فرمانے لگے'' ۲۵/۲۶ جیٹھ بمطابق ۷/۸ جون نا وانگت عرس شریف ہوئے تے میرے کول آیو۔'' ایک مغرز قافلے کے رفیقِ راہ آپ مقررہ تاریخ کو وانگت بابا جی صاحبؒ کے پاس چلے آئے۔ جونہی حضرت کو دیکھا تو برجستہ کہا[1]

[1] : میاں ارشاد احمد

ک :- کتنے وڈھے حکیم تُسیں تساں ہوندیاں اسیں بیمار کتنے
کتنے نسخے مریضاں دے جاندے ہوداروں ہوندیاں اسیں لاچار کتنے
کتنے ہوئے راضی تیرے شفاخانیوں تُساں ہوندیاں ساہنوں آزار کتنے
کتنے آئے اوکھے سوکھے کرٹورے قادر بخشؔ جیہے گنہگار کتنے

یہ کہنے کے بعد تادمِ زیست گرمیوں کے ایام میں وانگت باباگری ہی رہا کرتے تھے۔ باباجی صاحبؒ کے وصال کے بعد بھی اِن کا یہی معمول رہا۔ گوجری کے نامور شاعر میاں محمد اسرائیل اثرؔ کہا کرتے تھے کہ'' وہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا میاں بشیر احمد صاحب اور میں دربار عالیہ پہ جناب مولانا محمد عبداللہ چیچی سے پڑھا کرتے تھے تو اکثر دیکھنے میں آیا کہ زیارت شریف پہ جب سائیں صاحب آیا کرتے تھے۔ زینے طے کرنے کے بعد آگے نہیں بڑھا کرتے تھے۔ کہتے تھے'' سرکار تھلے تے اسیں گنہگار چت''

انہوں نے کئی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ حضرت نظام الدینؒ پنجابی زبان کے کہنہ مشق شاعر تھے آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اور سائیںؔ صاحب نے اکثر ایک ہی موضوع پر کئی اشعار کہے ہیں۔

الف :- اکھیاں دونویں میں ٹھاک لیاں تسیں دلبرا اپنا نقاب ٹھاکو
ٹھاک لئے میں شیریں سوال اپنے تسیں دلبرا تلخ جواب ٹھاکو
ٹھاک لئی میں طبع حلیم اپنی تسیں دلبرا اپنا عتاب ٹھاکو
قادر یار میں وصل گناہ ٹھاکے تسیں دلبرا ہجر ثواب ٹھاکو

سائیں قادر بخش

الف :- اکھیاں نوں ٹھاکے کون جمیاں ، رکن مول نہ نظر ایہہ پاونے تھیں
لا دن نین ایہہ پردیاں وچ جاکے آون باز نہ حسن چراونے تھیں
اُپر دلاں دے جال دے ہتھ پانوں ڈرن مول نہ جان پھساونے تھیں

نظام الدینؒ توڑے بُرا جگ بولے ہُن فر نہ شور مچا ونے تھیں

بعض اوقات آپؒ نے سائیں قادر بخش اور خدا بخش زاؔر نے ایک ہی زمین اور ایک ہی بحر میں ایسے شعر بھی کہے ہیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ جیسے

صدق یقین توں رکھ لے ہیرے چھڈھ کے لیا لانجھا
گھنڈی دل دی دور کریں توں پھیر عشق دا مانجھا
کدے آرام نہ جگ وچ کردا دوناں گھراں دا سانجھا
ایکو پاسا رکھ لے ہیرے یا کھیڑے یا رانجھا

سائیں قادر بخش

صدق یقین بہتیرے کیتے سب کجھ چھکا پانجھا
دہی دودھ نہ روغن مکانہ لسی نہ کانجھا
ہتھ لایا تاں معلم کیتا کج نالوں ایہہ چانجھا
ہیر تتی دے لیکھ اولے نہ کھیڑے نہ رانجھا

خُدا بخش زاؔر۔

صدق یقین ملائی باجھوں نہ لسی نہ کانجھا
روح صدق دا ہیر پیاری بُت عشق دا رانجھا
نظر نہ آوے بھانویں پیارا دل بناؤ سانجھا
دماں نال نبھاو یاری چھوڑ نکماں لانجھا

حضرت میاں نظام الدین صاحبؒ

موصوف نے پنجابی کے علاوہ ڈوگری اُردو اور گوجری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ خوش بختی یہ تھی کہ ان کے کلام کا اکثر مسودہ دربار باباجی صاحبؒ کے کُتب خانے میں موجود تھا۔ میاں بشیر احمد صاحب سجادہ نشین دربار عالیہ اگر یہ گوہر نایاب نسخے زیور طبعات سے آراستہ نہ کرواتے تو کسے علم تھا کہ سائیں قادر بخش کون تھے۔ آپ نے زیرِ نظر کتاب "نیر سمندرؒ" پانچ جلدوں میں چھپوا کر متعارف کروائی ہے۔ جس میں حضرت باباجی صاحبؒ اور اُن کے فرزندِار جمند حضرت میاں نظام الدینؒ کے ہم عصر شعرا کا کلام شامل ہے۔

عمر کے آخری ایام میں راجوری شہر سے پانچ کلومیٹر دور فتح پور "ایتی" میں رہائش اختیار کر لی مختصر علالت کے بعد یہاں ہی وصال ہوا اور اسی جگہ خاک پیوند ہو گئے۔

ع۔ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

سائیں فتح محمد المعروف سائیں گنجیؒ کی بابا جی صاحبؒ سے عقیدت[1]

سائیں گنجی صاحب" کا اصلی نام سائیں فتح محمد تھا عرف عام میں سائیں گنجیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا گاؤں ضلع پونچھ میں بچھا گلہ تھا جوان ہوتے ہی آپ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ایک مرتبہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ جن میں علی شیر خان، شیری خان حوالدار فروز خان تھے سائیں گنجیؒ نے بابا جی صاحبؒ کو گلگت میں کالا پانی کے مقام پر پتھر پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اُنھوں نے فوج کے دوسرے جوانوں کو بھی بلایا اور کہا کہ آؤ بابا جی صاحبؒ کو دیکھو اسی اثنا میں آپ غائب ہو گئے پھر یہ چار ساتھی وانگت میں حضرت قبلہ بابا جی صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو سائیں گنجی صاحبؒ سے فرمایا کہ "بارہ برس سری لنکا میں پانی میں رہو۔" علی شیر کو حکم دیا کہ "تا دم زیست یہاں ہی رہو" شیری خان کو فرمایا کہ "گرمیوں میں یہاں اور سردیوں میں اپنے گھر قیام کرو" حوالدار فیروز خان سے فرمایا "اپنے گھر قیام کرو اور لوگوں کو فیض پہنچاؤ یہ بھی یاد رہے کہ سبھی دوست فوج کی نوکری سے دستبردار ہو جائیں گے۔" پھر یہی ہوا سائیں صاحب حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سر لنکا چلے گئے اور اُسی طرح پانی میں رہ کر عبادت میں مشغول رہے واپس آئے تو لار آ گئے اور حضرت قبلہ کی سواری کی خچر چرانے لگ گئے۔ زیارت شریف سے کچھ دور ایک دفعہ راستے میں خچر چراتے ہوئے سو گئے تو سانپ نے ڈس لیا بیدار ہوئے تو کسی نے کہا "زہر کا خدشہ ہے" غرض ہر ایک نے اپنے اپنے تجربے اور سوچ کے مطابق دوائی دی مگر افاقہ نہ ہوا پھر بابا جی صاحبؒ نے اپنی لب مبارک سانپ کے کاٹے زخم پر لگائی تو زہر جاتا رہا اور سائیں گنجی صاحبؒ تندرست ہو گئے۔ بابا جی صاحبؒ نے سائیں گنجیؒ کو بیعت کر کے رخصت کیا سائیں گنجیؒ اوڑی پہنچے اور ایک مرزائی کے گھر کھانا کھایا تو سائیں صاحبؒ کے سینے کا نور جاتا رہا دوسرے دن سائیں گنجی صاحبؒ واپس

---

[1] چودھری اقبال مقیم تھنیاں ارشاد



مشہور شاعر سید برکت شاہ



میاں محمد اکبر ایک پُر خلوص رہنما

ع اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

بابا جی صاحبؒ کی خدمت میں پیش ہوئے اور رونے لگے اور کہا "میرا آٹا ساٹا کھسے گیا" (یعنی جو کچھ آپ نے عطا کیا تھا اُس سے محروم ہو گیا ہوں) اس پر بابا جی صاحبؒ نے فرمایا کہ "ہم آپ کا آٹا ساٹا واپس کرتے ہیں لیکن دوبارہ ایسی غلطی نہ کرنا" پھر رخصت ہو گئے۔ ان کی مرجع خلایق فتح پور راجوری میں ہے۔

میاں فتح محمد درہالوی کا فیضیاب ہونا:- میاں فتح محمد درہالوی بڑے صوفی شاعر تھے وہ چھوٹی عمر سے ہی بابا جی صاحبؒ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے اپنی سی حرفی میاں فتح محمد کو دی اور کہا کہ پڑھو میاں فتح محمد نے کہا کہ "میں تو ان پڑھ ہوں" آپ نے فرمایا "تجھ میں بہت صفتیں ہیں۔ ایک دن توں دوسروں کو پڑھائے گا۔" اس حوصلہ افزائی نے میاں فتح محمد کو وہ جلا بخشی جس سے وہ بابا جی صاحبؒ کا معرفت بھرا کلام سنانے لگا۔ یہاں سے ہی اُسے خود لکھنے کی تحریک ملی اور وہ بہت بڑے صوفی شاعر ہوئے۔

نامور تاجر کو درویشی نصیب ہوئی:- ایک بار مانسبل میں اولیاء اللہ کی مجلس آراستہ تھی جن میں عزیز چوپان اور درویش غلام محمد بھی شامل تھا پھر عزیز چوپان غلام محمد درویش کے ساتھ بانڈی پور آ گیا اور اُن کے ساتھ عبدالخالق منڈلو بھی تھا یہ لوگ بڑے بیوپاری اور تاجر تھے راولپنڈی اور گلگت تک ان کا مال جاتا تھا رات کو دعوت میں بیٹھے تھے تو غلام محمد نے پوچھا کہ "زمانہ حال میں کشمیر میں کون ولی ہے" عزیز چوپان نے کہا کہ "اس وقت بکروال طبقے میں وانگت کے بابا جی صاحبؒ سب سے بڑے ولی ہیں۔" درویش غلام محمد کے دل میں بابا جی صاحبؒ سے ملنے کی تڑپ پیدا ہوئی اور اپنی دکان پر جا کر مولوی امام الدین کو بلایا اور بابا جی صاحبؒ کے بارے میں دریافت کیا مولوی صاحب نے کہا کہ "بابا جی صاحبؒ میرے پیر ہیں" درویش غلام محمد نے اُسے ایک گھڑی اور بیس روپے نقد دے کر کہا کہ "مجھے بابا جی صاحبؒ کے پاس لے جاؤ" مولوی امام الدین اور درویش غلام محمد گھوڑوں پر سوار ہو کر وانگت روانہ ہوئے۔

میاں فتح محمد درہالوی اگرچہ مولوی سید حبیب شاہ صاحبؒ سے بیعت تھے لیکن شاہ صاحب کا تعلق لار سے تھا اس لئے میاں صاحب کا سلسلہ بعد میں "لار" سے جا ملا۔

شام کی نماز کے بعد جب باباجی صاحب "مہمانوں میں آئے تو مولوی امام الدین اور غلام محمد پیش ہوئے باباجی صاحبؒ نے فرمایا" دو آدمیوں کے لئے کھانا لاؤ" کھانا کھلانے کے بعد فرمایا" صبح بات کریں گے۔" دوسرے دن مولوی امام الدین اور درویش غلام محمد پھر پیش ہوئے تو باباجی صاحبؒ نے مولوی امام الدین سے کہا" آپ نے درویش سے بیس روپے اور گھڑی کیوں لی ایسا کر کے آپ نے گناہ کیا ہے۔" غلام محمد حیران ہوا کہ" ہم نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا پھر بھی انہیں علم ہو گیا۔" پھر درویش غلام محمد نے کہا کہ" میں بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوا ہوں" آپؒ نے فرمایا کہ" تیری قسمت میں حضرت حاجی نوران شاہؒ کے ہاتھوں بیعت ہونا لکھا ہے۔" درویش غلام محمد واپس گھر گیا تو والد نے خوب پیٹا اور کہا کہ" میری اجازت کے بغیر آپ کیوں وانگت گئے۔" درویش غلام محمد نے کہا کہ" اب جو ہونا تھا ہو گیا ہے۔" چنانچہ درویش صاحب نے گھر جائیداد سب چھوڑ دی اور حاجی نوران شاہؒ کے پاس چرار شریف کی چراگاہوں میں چلا گیا اور حاجی صاحب سے ملا باباجی صاحبؒ نے حاجی صاحب کو پیغام بھیجا کہ" میں نے آپ کے پاس ایک کبوتر بھیجا ہے۔ اِسے ایک اچھے پنجرے میں رکھیں۔" اُس کے بعد درویش غلام محمد بار بار وانگت آتا رہا[1]۔

---

[1] ۔۔حضرت میاں بشیر احمد ، شیرازہ گوجری۔۔۔۔۔حضرت میاں بشیر احمد نقشبندی صفحہ نمبر ۹ تا ۱۲ تحریر حسن پرواز

تاریخ اقوام پونچھ میں باباجی صاحب ؒ کا ذکر

حضرت باباجی صاحب ؒ کی روحانیت کی شہرت نہ صرف ریاست جموں وکشمیر بلکہ مغربی پنجاب کے علاقہ ہزارہ، راولپنڈی اور گجرات تک پھیل چکی تھی موصوف ہر لحاظ سے اپنے وقت کے سب سے بڑے ولی مانے جاتے تھے۔ جن کے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں میں تھی جہاں آپ کو علم لدنی کے باعث بہت سی زبانوں پر عبور اور دسترس حاصل تھی وہیں روحانی کرامات اور نوازشوں کے باعث ایک طرف موصوف نے اسلام اور شریعت کے معاملوں میں عوام کی رہنمائی اور رہبری فرمائی تو دوسری طرف روحانیت کے ذریعے دُکھیوں کے لئے دُعا اور مریضوں کے لئے شفاف ثابت ہوتے تھے۔ اللہ کے نام پر لنگر جاری کر کے بے سہاروں کا سہارا اور بے آسروں کا آسرا بن چکے تھے سینکڑوں میل کی دوری سے لوگ پیدل چل کر دشوار گزار راستے عبور کر کے بلا امتیاز مذہب وملت ذات وفرقہ اور رنگ ونسل کے لوگ آپ کے در تک پہنچتے اپنی حاجات، اپنا دُکھ اور اپنی تکالیف سے باباجیصاحب ؒ کو آگاہ کرتے اور پھر جھولیاں بھر کر واپس لوٹتے تھے۔ ریاست بھر کے عوام کے دلوں میں موصوف کے لئے عزت احترام اور عقیدت کس قدر ہے۔ اس کا اندازہ مشہور تاریخ دان محمد دین فوقؔ کی تاریخ اقوام پونچھ سے ملتا ہے۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۵۶ پر موصوف کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ”گجر قوم میں صلحا وعلما اور مشائخ کثیر تعداد میں گزرے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔“ حضرت خواجہ عبداللہ المعروف باباجی صاحب لاروی ؒ خاندان نقشبندیہ مجددیہ کی ایک قابل فخر ہستی تھے آپ کی تصنیفات ”ملفوظات نظامیہ“ اور ”اسرار کبیری“ علم تصوف میں بڑے پایہ کی کتابیں ہیں ملفوظات نظامیہ آپ نے اپنے مُرشد خواجہ نظام الدین ؒ کیانوی کے نام پر لکھی ہے۔ باباجی صاحب ؒ بڑے متوکل ومتشرع بزرگ تھے۔ ایک دفعہ مہاراجہ پرتاپ سنگھ والی جموں وکشمیر نے آپ ؒ کو لنگر میں جاگیر بطور ہدیہ پیش کرنے کی خواہشیں ظاہر کی مگر آپ نے انکار کر دیا آپ اپنے پیر روشن ضمیر کے خلیفہ اعظم تھے آپ کے ارادت مندوں کی تعداد لاکھوں تک بتائی جاتی ہے اور پونچھ کی تقریباً تمام گجر قوم آپ کی عقیدت مند ہے۔“[۲۴]

۱۹۲۶ء میں آپؒ کا پونچھ کا آخری دورہ

۱۹۲۶ء میں باباجی صاحبؒ آخری مرتبہ پونچھ تشریف فرما ہوئے کچھ دن موہڑا بچھائی قیام فرمایا پھر ایک دن چودھری غلام حسین لسانوی صاحب کے ہاں تشریف لائے تو لسانوی صاحب کی والدہ ماجدہ عمرہ بی نے اپنی پوتی لسانوی صاحب کی بچی جن کا نام غلام مریم ہے۔ گود میں اُٹھائے ہوئے باباجی صاحبؒ کے سامنے پیش ہوئیں تو عرض کیا ''حضرت یہ بچی غلام حسین کی ہے اور علیل رہتی ہے۔'' دُعا فرمائیں کہ ''خُدا اسے صحت اور عمر عطا کرے۔'' باباجی صاحبؒ نے بڑے پیار سے بچی کی طرف دیکھا اپنی گود میں لیا اور شفقت سے فرمانے لگے کہ ''آج کے بعد یہ بچی ہماری ہے[۱۹]۔'' پونچھ میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد آپ اپنے آبائی وطن نجوڑا تشریف لے گئے۔ وہاں اپنے بزرگوں اور اجداد کی زیارتوں پر حاضری دی نجوڑا تشریف فرما ہونے کی اطلاع بالاکوٹ تک عام ہوگئی لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے اِن سب اشخاص کو بیعت فرمایا جن میں زیادہ تعداد سادات کی تھی پھر آپؒ دربار کنیاں شریف آئے اور اپنے پیر و مرشد خواجہ نظام الدین کیانویؒ کے دربار عالیہ پر حاضری دینے کے بعد براستہ ٹیٹوال کرناہ واپس وانگت تشریف لائے۔ اسی سال آپ کا وصال ہوا ہے۔ باباجی صاحبؒ نے چودہ سال قبل اپنے وصال کے بارے میں یوں فرمایا تھا۔

ش:- شام نوں پئی اُڈیکدی آں آوے شام تے مت شبرات ہووے
خواباں وچ جنھاں دے دیدکیتے مت ظاہر بھی نال ملاقات ہووے
نت حرانیاں تے پریشانیاں وے مت وصل والی کوئی ساعت ہووے
کُٹھے عشق دے نوں عبدؔ نہ موت آوے غذا جنھاں دی آبِ حیات ہووے

---

۱۹ بعد میں ۱۹۳۱ء میں غلام مریم بی بی کی شادی میاں بشیر احمد صاحب سے ہوئی

میاں بشیر احمد صاحب کی ولادت

۲۱ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو جی صاحبؒ نے اپنے خادم کالو کو اپنی چادر دی اور فرمایا "پھلناڑ جاؤ۔ صاحبزادے میاں نظام الدینؒ کے ہاں بچے کا تولد ہو رہا ہے۔ اگر بیٹی پیدا ہوئی تو اس چادر میں لپیٹ کر رکھیں اور ربّ نے فرزند عطا کیا تو اسی چادر میں لپیٹ کر میرے پاس لے آئیں۔" جب خادم پھلناڑ پہنچا تو میاں بشیر احمد صاحب کی والدہ بی بی غلام فاطمہ پھوپھی زینب اور بیبی بیگی زیتون کھانا کھا رہی تھی اور ایسے آثار نظر نہ آئے تو وہ خاموش رہا۔ اسی دوران حضرت کی والدہ نے تکلیف کی شکایت کی پردہ کیا گیا اور بچے کی پیدائش ہوئی۔

چنانچہ چادر میں لپیٹ کر بچہ کو باباجی صاحبؒ کے پاس لایا گیا آپؒ نے بچے کو اُٹھا کر چھاتی سے لگایا ماتھا چوما کانوں میں اذان دی اور اپنی زبان مبارک کو چوسا کر گل سُتی دی اور بشیر احمد نام رکھا۔ زبان مبارک چوسانے کا روحانی مطلب یہ بھی ہے۔ کہ آپؒ نے اپنی روحانیت کو پوتے میں منتقل کیا۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ میاں بشیر احمد صاحب کی زبان میں جو مٹھاس اور شیرینی ہے۔ اور آپ کی باتوں سے جو روحانیت کی خوشبو آتی ہے۔ وہ اُسی گل سُتی کا نتیجہ ہے خود حضرت اس واقع کو یوں بیان کرتے ہیں پھر ایک بار میاں بشیر صاحب سخت بیمار ہوئے اور کوئی دوائی اثر نہ کر رہی تھی۔ تو موصوف نے انہیں اُٹھایا۔ اور مسجد شریف میں چلے گئے کچھ مدت کے بعد جب باہر آئے تو بچہ بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ آپ کو اپنے پوتے میاں بشیر احمد صاحب سے کتنا اُنس تھا۔ اس کا اظہار وصال سے کچھ عرصہ پہلے لکھی گئی اس سی حرفی سے ہوتا ہے[1]

---

[1] میاں بشیر احمد صاحب ،شیرازہ گوجری... میاں بشیر احمد نقشبندی، صفحہ نمبر ۹ تا ۲۱ تحریر حسن پرواز

ر:۔ رخصت ہون تھیں پیش اگے اساں دل دیاں خبراں دِیتاں وے
دس بجے اُٹھ روان ہوئے جدوں رزق مہاراں پھکیاں وے
شاید بشیرؔ ہوسی دلگیر ڈاہڈا گلاں یاد آنون نالے مٹھیاں وے
عبدلکھ حال احوال سارا نالے لکھو بشیرؔ دیاں چٹھیاں وے

☆

۱۹۲۶ء میں آخری سفر کی تیاریاں

وقت گزرتا گیا آپؒ کی طبیعت ناساز رہنے لگی جسم روز بروز کمزور ہونے لگا۔ ایک دن اپنی مسجد شریف میں لیٹے ہوئے تھے برف گر رہی تھی اتنے میں میاں نظام الدین عُرف حاجی بابا صاحبؒ خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے نہایت عمدہ قسم کا پٹو کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ باباجی صاحبؒ کے پاس اس وقت فقیر محمد جسے عُرف عام میں فقیراسیئں کہتے تھے جو آپ کے پاس ہی رہتا تھا۔ حاجی بابا صاحبؒ کو یہ لباس زیب تن کئے ہوئے دیکھ کر آپ نے بڑی مہربانی سے دریافت کیا ''میاں آپ نے یہ پٹو کا لباس کہاں سے لایا ہے۔'' حاجی بابا صاحبؒ نے عرض کیا ''حضرت یہ پٹو میں نے اپنے لئے تلیل سے منگوایا تھا راجولی کو کہہ کر'' اور درزی علی محمد شاہ جو چھتر گل رہتا ہے اس نے یہ لباس سیا ہے۔'' آپ نے فرمایا ''فقیرا رات کو میرے پاس رہتا ہے سخت قسم کی سردی ہے اِسے سردی محسوس ہوتی ہے اس لئے یہ شلوار فوراً اِسے دے دو۔'' آپؒ نے شلوار اِسے دے دی فقیرا نے اِس شلوار کو پہنا اور حضرت باباجی صاحبؒ سے عرض کرنے لگا ''حضرت موسم ناساز ہے اس لئے میں گھر جانا چاہتا ہوں مجھے ایک روز کی اجازت دیں۔'' آپؒ نے فرمایا ''میں ٹھیک نہیں تم گھر کی فکر مت کرو میں سب انتظام کروادوں گا اِس لئے مت جاؤ'' لیکن وہ نہ مانا آپ نے فرمایا ''اچھا جاؤ'' حاجی بابا صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''کہ میں نے اللہ کے حضور میں بڑی دُعا کی تھی۔ منت مانی تھی کہ یا اللہ مجھے حضرت قبلہ کے پاس ایک رات گزارنے کا موقع نصیب

ہو جائے۔ بارگاہِ الہیٰ میں میری دُعا اُس دن منظور ہوگئی فقیر اچلا گیا۔ میں بھی دروازے کے باہر بیٹھ گیا برف مجھ پہ گر رہی تھی میں برف جھاڑنے لگا باباجی صاحبؒ کو برف جھاڑنے کی آواز آ گئی فرمانے لگے باہر کون ہے۔'' میں نے عرض کیا'' میں ہوں'' فرمایا'' اندر آ جاؤ'' میں اندر چلا آیا شب برات کی جس شام کیلئے چودہ برس سے منتظر تھے۔ وہ شام بھی دھیرے دھیرے آ چکی تھی۔ میں حضور کی خدمتِ اقدس میں موجود تھا اتنے میں والدہ ماجدہ اور میاں احمد جی جنہیں عرفِ عام میں اخوان زادہ اور اُستاد بھی کہتے تھے۔ (میاں احمد جی حضرت باباجی صاحبؒ کے ہمشیر زادہ اور داماد بھی تھے۔) انہیں باباجی صاحبؒ ''اخوان زادہ'' کہہ کر مخاطب ہوا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں بھی آ گئے تو باباجی صاحبؒ اِن دونوں سے فرمانے لگے'' میں نے کبھی بھی پیسے نام کی چیز اپنی جیب یا اپنے پاس نہیں رکھی نہ اِس وقت میرے پاس کچھ ہے۔ اِس لئے آپ میری تجہیز و تکفین کا انتظام کیسے کریں گے۔'' میاں احمد جی نے عرض کیا'' حضرت ہو جائے گا والدہ ماجدہ نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا لیکن باباجی صاحبؒ کو تشفی نہ ہوئی حاجی بابا خاموش بیٹھے ہوئے آتش دان میں لکڑیاں جلا رہے تھے اور جی بھر کے رو رہے تھے۔ باباجی صاحبؒ حاجی بابا سے مخاطب ہوئے اور فرمایا'' اِدھر آؤ رونے کا وقت بہت ہے بعد میں روتے رہنا بتاؤ تم کیا انتظام کر سکتے ہو'' حاجی بابا صاحبؒ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا'' حضرت آپ اپنی تجہیز و تکفین پہ کتنی رقم خرچ کرنا چاہتے ہیں۔'' باباجی صاحبؒ نے فرمایا'' تین سو روپیہ حاجی بابا صاحبؒ نے عرض کیا'' یہ رقم میرے پاس موجود ہے۔'' آپ نے فرمایا'' حلال کی کمائی کی رقم ہونی چاہیے۔ آپ کے پاس یہ رقم کہاں سے آئی'' عرض کیا'' حضرت آپ نے مجھے کچھ بھیڑیں دی تھیں وہ بھیڑیں فروخت کر کے میں نے بھائی میر محمد (جو دارا فقیر گجری رہتے ہیں) اِن سے ایک گھوڑی خریدی تھی بعد میں میں نے وہ گھوڑی بھی فروخت کر دی تھی۔ وہی رقم میرے پاس موجود ہے۔'' آپ فرمانے لگے ہاں یہ بالکل دین دار گھر کی گھوڑی تھی اِسے فروخت کر کے جو رقم حاصل کی ہوئی ہے وہ صحیح ہے۔ اُس زمانے میں چاندی کے روپے ہوا کرتے تھے فرمایا یہ'' روپے میرے سامنے لاؤ'' جب آپؒ کے سامنے[1] یہ رقم

[1] میاں بشیر احمد

رکھی گئی تو آپؒ نے اِسے خوب ٹھوک بجا کر دیکھا اِس لئے کہ کیا کچھ کھوٹ تو نہیں۔ جب یہ جانچ لیا گیا کہ یہ رقم واقعی کھری ہے ماسوائے ایک روپے کے پھر والدہ ماجدہ کی طرف دیکھا تو حاجی بابا صاحبؒ کے بارے میں فرمانے لگے تم ''دیکھنا میاں کا بلند مقام ہوگا۔''[1]

شبِ وصل گزرنے کے بعد صبح صادق ہوگئی حاجی بابا صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں دروازہ کھلا اِن کی بڑی ہمشیرہ زینب بی بی دروازے سے داخل ہوئیں تو حاجی بابا صاحب کے قریب بیٹھ گئیں آپؒ نے فرمایا ''کون ہے؟'' موصوف نے عرض کیا ''ہمشیرہ زینب بی بی ہیں۔'' آپؒ نے بڑی شفقت اور مہربانی سے اپنی دخترِ نیک اختر کو فرمایا ''بیٹی چلیے خُدا کے حوالے مجھے تمہارے بھائی سے کچھ کام ہے۔ آپ چلی گئیں۔'' اِن کے جانے کے بعد موصوفؒ کو اپنے قریب بُلایا اور فرمانے لگے ''میاں اس وقت میری عمر کیا ہوگی'' آپ نے عرض کیا حضرت جس حساب سے آپ اپنی عمر مبارک کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے۔'' اس حساب سے آپ کی عمر مبارک اس وقت ترسٹھ سال بنتی ہے۔'' آپؒ نے فرمایا ''شکر الحمد للہ میری عمر بھی سنتِ رسول ﷺ کے مطابق ہوئی ہے۔'' پھر حاجی بابا صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں تھاما اور فرمایا ''تم خُدا کے حوالے۔'' یہ فرماتے ہی مالکِ حقیقی سے جا ملے آپؒ کا وصال ۷ پھاگن ۱۵ شعبان ۱۳۴۵ھ ہجری بمطابق ۱۹۸۳ بکرمی سنہ ۱۹۲۶ء بروزِ جمعہ بوقتِ چاشت ہوا ہے۔ جہاں آپ کی تُربت مبارک ہے۔ یہ مرجع خلائق آپ نے اپنی عمر میں بہت پہلے تعمیر کرائی ہوئی تھی۔ حضرت بابا جی صاحب نے اپنے وصال سے تین روز قبل یہ شعر فرمایا تھا۔[2]

ج: - جاندیا جو گیا خوشی جا بیبا تھوڑے روز ات بھی آ کے کٹ چلیوں
آندی واری خوش آثار رخسار اُتے متھے لمڑی واٹ کیوں وٹ چلیوں
سُچا رخت سی قیمتی پاس تیرے درماں کھوٹیاں تے مور کھاسٹ چلیوں
عبدؔ ہیسی خواہش ملاقات والی تھوڑا کر قیام کیوں ہٹ چلیوں

[1] میاں بشیر احمد صاحب، [2] اقبال عظیم چودھری

متاعِ فقر و دانش

دربار بابا جی صاحبؒ

(تاریخ کی روشنی میں)